تحقیق اور تدوینِ متن
(اقسام، طریق کار، مقالہ نگاری)
ڈاکٹر محمد اشرف کمال

تحقیق اور تدوین متن

(اقسام، طریق کار، مقالہ نگاری)

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

CITY BOOK POINT
Naveed Square. Urdu Bazzar, Karachi
Ph # 021-32762483
E-Mail: citybookurdubazaar@gmail.com

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASSAN DEEN

ادارہ City Book Point کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ ہمارے ادارے کے پیش نظر صرف تحقیقی کتب کی اشاعت ہے۔

نام کتاب: تحقیق اور تدوین متن

مصنف: ڈاکٹر محمد اشرف کمال

ناشر: سٹی بک پوائنٹ

تعداد: 500

اشاعت سن: 2017ء

قیمت: =/350

انتساب

قابلِ احترام

ڈاکٹر قاضی عابد

ڈائریکٹر سرائیکی ایریا اسٹڈی سنٹر

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

کے

نام

فہرست

پیش لفظ

مختلف علوم وفنون میں ترقی کے لیے تحقیقی سرگرمی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں سائنسی علوم، ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کے شعبہ میں تحقیق کی مدد سے حیرت انگیز اور بیش بہا نئے کارنامے سامنے آئے ہیں وہاں دیگر علوم میں بھی تحقیق کی معاونت سے پہلے کی نسبت کئی قدم آگے سفر طے کیا گیا ہے۔

تحقیق ایک صحت مند سرگرمی ہے جو ہر سطح پر علمی استعداد کو بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ اس سے علم وادب میں جہاں قدیم روایتوں کا سراغ ملتا ہے وہاں یہ قدیم کو جدید سے ملانے کی ایک اہم کڑی بھی ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ تمام علوم میں تحقیق کی اہمیت کا احساس بڑھتا جارہا ہے۔ تحقیق معلومات تک پہنچنے کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو مستند بھی ہے اور اہم بھی۔

شروع میں اردو میں تحقیق کے حوالے سے انفرادی کوششیں سامنے آنا شروع ہوئیں، اس کے بعد کچھ ادارے بھی اس حوالے سے سرگرم ہوئے۔ مگر آج کل تحقیقی کام زیادہ تر یونیورسٹیوں میں ہو رہا ہے جہاں سندی تحقیق کی روایت مضبوط سے مضبوط ہوتی جارہی ہے۔

مسلسل تحقیقی سرگرمی کے بعد اُردو میں بھی تحقیق حوالے سے حوصلہ افزا نتائج سامنے آرہے ہیں۔ پہلے کی نسبت یونیورسٹیوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے جہاں بے شمار اسکالر تحقیقی مقالہ جات لکھنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ یوں اُردو میں تحقیقی مقالوں کی تعداد میں مسلسل خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے قطع نظر اس کے کہ اُن مقالہ جات کا تحقیقی معیار یا قدر وقیمت کیا ہے۔ کیونکہ بے شمار مقالہ نگار صرف ڈگری کے حصول کے لیے تحقیقی مقالہ لکھتے ہیں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ سیکھتے ضرور ہیں۔ میں اس حوالے سے مایوسی کا شکار کبھی نہیں رہا، مگر ان لوگوں

سے مایوس ضرور ہوں جو اسکالر کی انگلی پکڑ کر اسے تحقیقی راستے پر ڈالنے کے بجائے اسے اپنا ہاتھ پکڑا دیتے ہیں اور معمولی سے مفاد کے بدلے میں اس کی کشتی خود سے پار لگا دیتے ہیں اور بعض جگہ تو یہ علی الاعلان ہو رہا ہے۔ ہمیں اس رویے کی مذمت کرنا ہوگی۔

دیگر مضامین کی طرح اردو میں تحقیق سے متعلق بھی بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور بہت سی کتابیں لکھے جانے کی گنجائش ہر وقت موجود ہے۔ کیونکہ تحقیق کا شعبہ تمام علوم کی وسعتوں کے برابر وسعت رکھتا ہے اور ان علوم وفنون میں مزید ترقی کے امکانات کا سراغ دیتا ہے۔ اس لیے تحقیق کے میدان میں ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

میں تحقیق کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ میں نے موجودہ کتاب کسی بھی حوالے سے اپنی علمی و تحقیقی قابلیتوں کے اظہار کے لیے نہیں لکھی بلکہ گزشتہ دس سال سے مختلف یونیورسٹیوں میں تحقیق کا مضمون پڑھانے کی وجہ سے اپنی مشکلات اور اپنے طلبہ محققین کی مقالہ نگاری کے حوالے سے درپیش مشکلات کو سامنے رکھ کر نہایت سادہ اور سلیس اسلوب میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں بے شمار غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں اور علمی و تحقیقی کوتاہیاں بھی۔ جنھیں قارئین نشان زد کر کے مجھے اس کتاب میں مزید بہتری لانے کا مشورہ دیں گے تو میں ان کا ممنون رہوں گا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

تحقیق

تحقیق (RESEARCH) کا لفظ فرانسیسی لفظ Recharcher سے ماخوذ ہے جس
کا مطلب تلاش و تحقیق ہے۔ انسانی معاشرے میں تحقیق کے فعال اور موثر کردار سے کوئی بھی
ہوشمند اور ذی عقل انکار نہیں کر سکتا۔ تحقیقی مزاج اور تحقیقی رویے انسانی معاشرے کے لیے کم
اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"تحقیق کے لغوی معنی کسی شے کی حقیقت کا اظہار یا اس کا اثبات
ہے۔ اصطلاحاً یہ ایک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد
کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے تاریخی تحقیق
میں کسی امر واقعہ کے وقوع کے ہونے نہ ہونے کی چھان بین مدنظر
ہوتی ہے۔" (۱)

تحقیق ہر معاشرے کی ضرورت ہے۔ تحقیق افراد کو مسائل کی تشخیص میں نہ صرف مدد کرتی
ہے بلکہ چارہ سازی کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔ تحقیق ہم کو ہمارے ماضی سے جوڑتی ہے
اور ماضی جو کچھ بھی ہوا اس کی حقیقت کے ادراک میں مدد دیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

"تحقیق کے معنی ہیں کسی مسئلے یا کسی بات کی کھوج لگا کر اس طور پر
اس کی تہ تک پہنچنا کہ وہ مسئلہ یا وہ بات اصل شکل اور حقیقی روپ میں
پوری طرح سامنے آجائے کہ اصل بات یا مسئلہ کیا ہے اور یہ بھی
معلوم ہو جائے کہ ایسا کیوں ہے۔ تحقیق خواہ ادب یا سائنس کی ہو یا
زندگی کے کسی بھی شعبے کی، اس کی نوعیت اور اس کی منزل یہی ہوتی

ہے۔ تحقیق کا کام سچ کو جھوٹ سے، صحیح کو غلط سے الگ کر کے اصل
حقیقت کو دریافت کرنا ہے۔" (۲)

جدید تحقیق صرف تلاش، تفتیش اور حقائق کی بازیافت ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک فن ہے جسے تکنیک اور اصول کے حوالوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ جدید تحقیق میں سائنسی طریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے تاہم جہاں تک اس کے فنی طریق کار کا تعلق ہے یہ ایک تکنیک ہے جو چند بنیادی تحقیقی اصولوں پر مبنی ہے اور اپنی پیشکش یا اسلوب کے لحاظ سے یہ ایک فن ہے، کیوں کہ استدلال اور بیان، فن کارانہ چابک دستی کا تقاضا کرتے ہیں۔ (۳) تحقیق انسان کی سب سے زیادہ علمی، بامعنی اور دوررس سرگرمی کا نام ہے۔ ابتدائے آفرینش سے انسان نے اپنے ماحول کو سمجھنے اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے تحقیق کی طرف توجہ دی ہے۔ (۴) پروفیسر رشید حسن خان لکھتے ہیں۔

"تحقیق ایک مسلسل عمل ہے۔۔۔ تحقیق میں اصلیت کا تعین اس
وقت حاصل شدہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔" (۵)

ہر تحقیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور یہ سائنسی اور عملی اور مربوط و منضبط فکر کی پیشکش ہے۔ تحقیقی عمل اور تحقیق نگاری پر بات کرتے ہوئے محقق کے فرائض کے حوالے سے ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

"محقق کا کام صرف حقائق کو جمع کرنا ہی نہیں بلکہ ان کی تشریح و تعبیر
کرنا بھی ہے۔ حقائق جمع کرنا اور ان کی پوری درستی کا خیال رکھنا محقق
کے کام کا لازمی جزو ہیں لیکن یہ اس کے کام کی محض بنیاد ہے۔ اسے ہر
معاملے میں آخری فیصلہ کرنا چاہیے۔" (۶)

ایک محقق کا کام مفروضے کی تشکیل، مواد کا حصول، تنقید اور چھان پھٹک کے بعد حقائق کا تعین اور علمی و ادبی مسائل کا حل پیش کرنا ہے۔ ماضی کی تحقیق میں اگر کہیں کوئی کمی یا نتائج اور حقائق میں غلطیاں موجود ہوں تو ان کی درستی بھی محقق کا کام ہے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں بہت سے علمی و تحقیقی مغالطوں کا اندیشہ رہے گا جو کہ تحقیق کے طالب علموں کیلئے گمراہی کا سبب بنیں گے۔ ادبی تحقیق کے سلسلے میں تاریخ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مختلف علوم اور مختلف

زبانوں کا مطالعہ بھی ادبی تحقیق کے نہایت ضروری ہے اور معاشرتی علوم کے وسیلے سے ادب کے مختلف رشتے دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

ادبی تحقیق سماجی، تعلیمی یا سائنسی تحقیق کی نسبت زیادہ مشکل کام ہے کیونکہ دیگر اقسام میں معروضیت کے آلات اور پیمانے وضع ہو چکے ہیں زیادہ سے زیادہ ان کی پیمائشوں کے بار زیر بحث آتے ہیں لیکن ادبی تحقیق نے ابھی پیمانے بنانا شروع ہی نہیں کیے اس لیے اس میں معروضیت قائم رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ معروضیت کے بغیر کوئی بھی تحقیق اپنا جواز اور وثوق نہیں رکھتی اور پایۂ اعتبار کو نہیں پہنچتی۔ (۷) اس میں کوئی شک نہیں کہ ادبی معاملات میں تحقیق ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ادبیات کے ساتھ ساتھ اب تحقیق بھی الگ سے شعبہ بن گئی ہے۔

تحقیقی کام مستند واقعات اور استدلالی و منطقی استخراج و طریقہ کار پر مبنی ہوتا ہے اس میں فرضی باتیں اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ تحقیق میں نہ کچھ کم ہوتا ہے اور نہ ہی کچھ زیادہ۔ پوری پوری بات دلائل، حقائق اور صداقت کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ملک حسن اختر تحقیق کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''سائنس میں تحقیق ایجاد ہے جبکہ ادبی تحقیق دریافت تک محدود ہے۔ ادبی تحقیق میں نئی چیزیں پیدا نہیں کی جاتیں بلکہ صرف پرانی موجود چیزوں یا حقائق کو دریافت کیا جاتا ہے۔ بہت سی کتابیں مرورِ زمانہ کے ساتھ پردۂ گمنامی میں چلی جاتی ہیں اور بہت سے حقائق لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں تحقیق ان کو منظر عام پر لاتی ہے کھوٹے اور کھرے کو الگ کرتی ہے۔'' (۸)

تحقیق بظاہر ایک خشک اور صبر آزما فن ہے لیکن یہ ایک ایسے طلسم کی طرح ہے، جس کے اندر ایک بار داخل ہو جائیں تو اس کے عجائبات اور حیرتیں شعور کے نئے دریچے کھول دیتی ہیں۔ (۹)

شکیل الرحمن لکھتے ہیں:

> ''ادبی تحقیق دریافت یا Discovery ہے اسے اپنے جمالیاتی وژن

کی مدد سے نئی تخلیق یا یہ کہیے Recreaction کی صورت دینا ہی بڑا کام ہے۔" (۱۰)

تحقیق تاریخی ولسانی حوالے سے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ زبانوں کی ابتدا اور ارتقا کے بارے میں مفید معلومات تحقیق ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا تحقیق کی خدمات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"بحیثیت مجموعی اردو تحقیق نے زبان کی ابتدا اور ساخت، اردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ کے داخلے اور اخراج، نئے مواد کی تلاش اور اور پرانے مواد کی تصحیح اور ترتیب کے سلسلے میں نہایت اہم خدمات انجام دی ہیں۔"(۱۱)

تحقیق چھان پھٹک کا کام ہے یہ دودھ سے پانی الگ کردیتی ہے۔(۱۲) تحقیق کا یہی فائدہ ہے کہ اس میں جعل سازی اور سرقہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ یہ درست اور غلط کو الگ الگ کردیتی ہے۔

تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔ (۱۳)

تحقیق کی مدد سے ہم بہت سے بے سروپا باتوں اور غلط روایات کی چھان بین کر سکتے ہیں۔ مصنفین اور ان کے فن تک رسائی تحقیق ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

اردو تحقیق کا دامن اور دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ یہ نہ صرف تاریخ ادب، لسانیات، تنقید کے چھپے ہوئے گوشوں کو نمایاں کرتی ہے، ماضی کی گرد میں گم ہوئی کسی شخصیت کے چھپے ہوئے پہلوؤں اور فن کی خصوصیات کو سامنے لاتی ہے یا تعلیمی وتدریسی حوالوں سے نئے امکانات کو وسیع کرکے نصاب سازی کے حوالے سے درست سمت میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تحقیق زندگی کی بازیافت کا نام ہے۔

تحقیق کے تقاضے

تحقیق مسلسل تلاش و جستجو کے ذریعے نئے حقائق معلوم کرنے اور پہلے سے معلوم شدہ حقائق کی تصدیق وتوسیع کا نام ہے۔ تحقیق کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس میں بہت زیادہ عرق ریزی اور چھان بین کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحقیق میں تجربہ اور مشاہدہ دونوں جمع ہو کر ایک ساتھ چلتے ہیں۔ تحقیق میں نہایت محتاط رویہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں غیر متعین مشکوک اور مبہم باتوں کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ تحقیق میں پرانی باتوں کے ساتھ ساتھ نئی معلومات بھی شامل کی جاتی ہیں۔ تحقیق میں انسان کی فطری صلاحیت اور ذہانت دونوں ساتھ ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔

تحقیق ایک صبر آزما اور دقت طلب کام ہے اسی لیے تحقیق کے کچھ اصول اور تقاضے ہیں۔ ایک اچھے تحقیق نگار کو اپنے تحقیقی کام کے دوران ان تقاضوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔

محقق جس موضوع یا جس حوالے سے کام کرنا چاہتا ہے وہ اس موضوع پر پہلے سے معلوم شدہ مواد کی چھان پھٹک کرنے کے بعد کچھ نئی معلومات بھی بہم پہنچائے اگر محقق صرف پرانی معلومات ہی کو توڑ موڑ کر پیش کردے گا تو اس سے تحقیق کا مقصد فوت ہوجائے گا اس لیے ضروری ہے کہ محقق جو بات لکھ رہا ہے یا اپنی تحقیق کے جو نتائج پیش کر رہا ہے اس کی صداقت کے بارے میں مکمل اطمینان کرنے کے بعد اسے منظر عام پر لائے۔ ڈاکٹر رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''کسی امر کی اصل شکل کی دریافت اس لیے ضروری ہوتی ہے کہ صحیح صورت حال معلوم ہو سکے۔ اس سلسلے میں جو شہادتیں مہیا کی جائیں اور جو معلومات حاصل کی جائیں وہ ایسی ہونی چاہئیں کہ استدلال کے

کام آسکیں۔،،(۱۴)

محقق کو چاہیے کہ وہ مشکوک اور مبہم انداز میں بات نہ کرے بلکہ وصاف اور واضح اظہار بیان سے کام لے۔وہ نہایت سادہ اور منطقی انداز میں اپنے کام کو آگے بڑھائے۔
محقق کو اپنے تحقیقی مقالے میں خطابت کا انداز نہیں اپنانا چاہیے۔اس کی معلومات ناقص نہیں ہونی چاہئیں۔نثری تحریروں میں شعروں کی بھرمار سے بچا جائے جہاں ضرورت ہو صرف وہاں شعر حوالے کے طور پر دیے جائیں۔جملوں اور مطالب ومعانی میں ایک ہم آہنگی ہونی چاہیے۔عام اور غلط العوام باتوں کو پوری چھان بین کے ساتھ مقالے کا حصہ بنایا جائے۔

ایک اچھے محقق کے لیے مطالعہ کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ پودے کو کھاد اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے مطالعہ جس قدر وسیع ہوگا اتنا ہی محقق اپنے موضوع سے انصاف کر سکے گا۔بعض اوقات ایسے موضوعات جن کا متعلقہ موضوع تحقیق سے تعلق نہیں ہوتا کا مطالعہ بھی محقق کو فائدہ دے جاتا ہے۔تحقیق کا مقصد ہی سچ کو تلاش کرنا ہے اور یہ سچائی جہاں جہاں سے حاصل ہو اس کو حاصل کیا جانا چاہیے۔مختلف موجوعات پر لکھی گئی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک محقق اپنے موضوع پر بہت کچھ لکھنے کے قابل ہو جائیں گے۔اور اس طرح ایک محقق کو آپ اپنے موضوع کا دوسرے موضوعات سے تقابل کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف اس موضوع تک محدود نہ ہو جس پر آپ لکھ رہے ہیں بلکہ لکھنے والے کو ہر قسم کی قابل قدر علمی وادبی تحریروں، کتابوں، مضامین ورسائل، وغیرہ کا مسلسل مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔اس سے ذہنی تناظر وسیع ہوگا اور مختلف علوم وفنون آپ کی تحریروں میں رنگ بھریں گے۔،،(۱۵)

محقق کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ تمام تحقیقی مواد کو بغیر جانچے اور بغیر پڑتال کیے اپنے مقالہ میں شامل نہ کرے۔بلکہ اسے جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھے۔محقق مقالے میں جو حوالہ پیش کرے اس کی صداقت کی مکمل طور پر تسلی کرنے کے بعد ہی اسے اپنے تحقیقی مواد میں

شامل کرے۔اور محقق جو حوالہ اپنے موضوع کی مناسبت سے اپنے مقالے میں شامل کر رہا ہے اسے چاہیے کہ اس حوالہ کے لیے اصل کتاب سے رجوع کرے۔اصل ماخذ ہی سے معتبر حوالہ مل سکتا ہے۔بعض اوقات مختلف مضمون نگار اپنے مضامین میں دوسروں کے اقوال بغیر کسی چھان بین کے شامل کر دیتے ہیں لہٰذا اس قسم کے حوالوں سے گریز کیا جائے۔عام مطالعے کی کتابوں کے ساتھ ساتھ محقق کو چاہیے کہ وہ حوالے کی کتابوں کے مطالعہ پر بھی خصوصی توجہ دے۔محقق کو چاہئے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ کتب خانوں میں جائے اور وہاں سے نہ صرف بنیادی اور ثانوی مصادر کے حوالے مواد حاصل کرے بلکہ مختلف موضوعات پر کی گئی تحقیق کا طریق، اسلوب اور انداز بھی ملاحظہ کرے تا کہ اسے مقالے کی معیار بندی میں مشکل پیش نہ آئے۔ڈاکٹر سلطانہ بخش کے بقول:

> ''کوئی محقق جس کا موضوع خواہ کسی مضمون سے تعلق رکھتا ہو لائبریری سے لاتعلق نہیں رہ سکتا ہر بڑی لائبریری میں دو طرح کی کتابیں ہوتی ہیں ایک حوالے کی اور دوسرے عام مطالعے کی کتابیں۔حوالے کی کتابوں سے محقق نہایت مفید رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔''(۱۶)

تحقیق نگار کو حوالے کے اندراجات میں نہایت محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے۔حوالہ مکمل اور واضح ہونا چاہیے۔حوالہ میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہیں کرنی چاہیے۔ان کے علاوہ موضوع کا انتخاب،طریقہ کار،مواد کی فراہمی اور ماخذ کا تعین کرتے وقت محقق کو بہت زیادہ سوچ بچار اور غور و خوض سے کام لینا پڑتا ہے۔

تحقیقی کام صرف اور صرف صبر و تحمل اور مستقل مزاجی سے بخیر و خوبی کیا جا سکتا ہے۔تحقیق کا بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ پختہ ارادے اور مستحکم رویے سے کام لیتے ہوئے خاموشی اور استقامت سے تحقیقی کام کو انجام دیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔عبداللہ‘سید ڈاکٹر،مباحث،لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۶۵ء،ص ۳۶۵

۲۔جمیل جالبی‘ڈاکٹر،تحقیق،لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۹۴ء،ص ۱۱

۳۔تحقیقی خواص میں اعتباریت یا ساکھ؟از ڈاکٹر عطش درانی مشمولہ تحقیق،سندھ یونیورسٹی جام شورو،شمارہ ۱۴،ص ۵۳

۴۔نثار احمد زبیری‘ڈاکٹر،تحقیق کے طریقے،لاہور،فضلی سنز لمیٹڈ،۲۰۰۰ء،ص ۱۴

۵۔رشید حسن خان،ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ،لاہور،الفیصل،۱۹۸۹ء ص ۹

۶۔خلیق انجم‘ڈاکٹر،ادبی تحقیق اور حقائق سہ ماہی اردو کراچی جنوری ۱۹۶۸ء ص ۳۵

۷۔ایس ایم شاہد،ادبی تحقیق کی معروضیت،اخبار اردو اسلام آباد،اکتوبر ۲۰۰۲ء ص ۳۶

۸۔حسن اختر ملک‘ڈاکٹر،تہذیب و تحقیق،لاہور،یونیورسل بکس،۱۹۸۹ء،ص ۱۵

۹۔رشید امجد‘ڈاکٹر،جدید زبانوں کی جامعہ میں اردو تحقیق،اخبار اردو اسلام آباد،اکتوبر ۲۰۰۲ء اردو میں اصول تحقیق نمبر،ص ۸۲

۱۰۔شکیل الرحمن،ادبی تحقیق اور جمالیات،خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ شمارہ ۱۳۱ جنوری مارچ ۲۰۰۳ء ص ۳۵

۱۱۔اعجاز راہی (مرتب) روداد سیمینار اصول تحقیق،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء،ص ۱۲۳

۱۲۔حسن اختر ملک‘ڈاکٹر،تہذیب و تحقیق،ص ۱۶

۱۳۔عبدالستار دلوی (مرتب)،ادبی و لسانی تحقیق اصول اور طریق کار،بمبئی،شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی،۱۹۸۴ء،ص ۷۷

۱۴۔رشید حسن خان،ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ،الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور

۱۹۸۹ء ص ۸

۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر لکھنے کا اصول مشمولہ نقوش عصری ادب نمبر ۲ ۱۹۸۲ء ادارہ فروغ اردو لاہور ص ۱۶۴

۱۶۔ ایم سلطانہ بخش ڈاکٹر، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ص ۱۵

اردو میں تحقیق کی روایت

اردو تحقیق کے ابتدائی نقوش تذکروں میں دکھائی دیتے ہیں۔اردو میں ان تذکروں کی روایت اٹھارویں صدی میں شروع ہوتی ہے۔میر تقی میر کے تذکرہ' نکات الشعراء'(مولفہ ۱۷۵۳ء) کواردو میں قدیم ترین تذکرہ مانا جاتا ہے۔ اس کے بعد گلشن گفتار، تحفتہ الشعراء،مخزن نکات، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء،شعرائے اردو، بہاروخزاں، تذکرۂ شورش، مسرت افزا، گلشن سخن، گل عجائب، گلزار ابراہیم، تذکرۂ ہندی، وغیرہ وہ تذکرے ہیں جو ۱۸۰۳ء تک منظر عام پر آئے۔ (۱)

اردو کے ابتدائی دستیاب تذکروں میں گردیزی کا تذکرہ ریختہ گویاں، قائم چاند پوری کا مخزن نکات، اور میر کا نکات الشعراء قابل ذکر ہیں۔متذکرہ تینوں تذکرے ایک ہی نصف صدی (۱۱۶۵ھ تا ۱۲۰۸ھ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۲) عمدۂ منتخبہ، مجموعتہ الانتخاب، مجموعہ نغز، ریاض الصفحاء، تذکرہ بے جگر، دیوان جہاں، طبقات سخن، گلشن بے خار، دستور الفصاحت، مدائح الشعراء، گلستان سخن، انتخاب دواوین، خوش معرکہ زیبا، گلدستہ نازنیناں، بہار بے خزاں، گلستان بے خزاں، طبقات الشعرائے ہند، سراپا سخن، گلشن ہمیشہ بہار، یادگار شعراء، وغیرہ شعراء کے وہ تذکرے ہیں جو انیسویں صدی میں سامنے آئے۔ (۳) عنایت اللہ فرتوت کا تذکرہ ریاض حسنی، ان تمام تذکروں میں تحقیقی اشارے ملتے ہیں۔گارساں دتاسی کا تذکرہ تاریخ ادب بھی اہمیت کا حامل ہے۔اس تذکرے میں گارساں دتاسی نے اردو کی ابتدا، اس کی ساخت اور اس کے رسم الخط کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔یہ تذکرے اردو ادب کے ارتقا اور اس دور کے ادبا وشعراء کے کوائف اور فن وشخصیت کے حوالے سے ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یادگار شعراء جیسے اہم تذکرہ کے حوالے سے فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''گارساں دتاسی کی تاریخ ادب ہندوستان کے بعد یہ دوسرا تذکرہ جو ایک یورپین مستشرق کی کوشش سے وجود میں آیا۔ گارساں دتاسی کا تذکرہ فارسی زبان میں تھا۔ ڈاکٹر اشپرنگر نے اسے انگریزی زبان میں انگریزی حروف تہجی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ بعد میں طفیل احمد نے اسے انگریزی سے اردو میں منتقل کر کے اسے یادگارِ شعراء کا نام دیا ہے۔''(۴)

سراج الدین علی خان آرزو کی ''نوادر الالفاظ'' کو اردو کی ابتدائی لغت کہا جاسکتا ہے جو کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں سامنے آئی۔ خان آرزو نے عبدالواسع ہانسوی کی ''غرائب اللغات'' کی تصحیح کی۔

سودا اور غالب کے یہاں بھی تحقیق اپنی ابتدائی اور مبہم صورت میں دیکھی جاسکتی ہے۔ غالب کے خطوط، تقریضوں اور دیباچوں میں زبان وفن کے جو نکات بیان کیے گئے ہیں اور محاورات کے ضمن میں اختلافی بحث طلب مسائل اٹھائے گئے ہیں وہ اردو تحقیق نگاری میں ابتدائی شواہد فراہم کرتے ہیں۔ (۵)

اردو میں ادبی تحقیق کا آغاز دور سرسید سے ہوتا ہے۔ حالی، شبلی، آزاد اور سرسید کے ہاں تصحیح متن اور مقالات میں تحقیقی شعور کی کچھ جھلکیاں ملتی ہیں۔

سرسید احمد خاں ۱۸۵۴ء تک مغربی آداب تحقیق سے واقف ہو چکے تھے جس بین ثبوت آئین اکبری ہے۔ آئین اکبری کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں بہت فرق ہے۔ دوسرا ایڈیشن زیادہ بہتر شکل میں تحقیق کے طریقہ کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذرائع معلومات ماخذ اور اشاریہ کے التزام کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ محسن الملک، حالی نے سرسید کی نئی محققانہ اپروچ کو تسلیم کیا اور اسے تقویت بھی پہنچائی۔ چراغ علی کے العلوم الحمدیہ والاسلام مقالہ کا شمار اردو تحقیق کے ذیل میں کیا جانا چاہیے۔ آزاد نے اردو تحقیق کے دامن کو وسعت دی اور دربار اکبری، سخن دان فارس، 'آب حیات' لکھ کر اپنے ذوقِ تحقیق کی سیرابی کا اہتمام کیا۔ فارسی اور بعض دوسری زبانوں میں لسانیاتی سطح پر جو مشترک عناصر تھے ان کو سمجھنے کی کوشش کی۔ آب حیات میں پچاس سے زائد کتابوں کے حوالے شامل کیے گئے ہیں۔ حالی نے کئی سوانح حیات لکھی ہیں، وہ سوانح کی ترتیب واقعات وحقائق کی تلاش وجستجو اور صحت بیان پر توجہ دیتے ہیں اور باضابطہ ماخذ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ (۶)

شبلی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) کے یہاں استقرائی تحقیق کی بعض صورتیں نمایاں ہوتی نظر آتی ہیں۔ شبلی نے فارسی عربی اور تاریخ کے مآخذ سے معلومات فراہم کیں۔ المامون، الفاروق، علم الکلام اور فارسی ادبیات کی کتاب شعر العجم میں انھوں نے مختلف عربی فارسی شعراء اور با تذکرہ نگاروں اور انگریزی مورخین سے استفادہ کیا ہے۔ (۷)

باقاعدہ طور پر اردو تحقیق کی روایت پہلی جنگ عظیم سے شروع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر زور، عبدالسلام ندوی، سید سلمان ندوی، مولانا عبدالحئی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، پروفیسر محمد اقبال اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے نام اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سے قبل مشرقی علوم میں تحقیق کی روایت بہت کچھ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے ہاتھوں مضبوط اور مستحکم ہو چکی تھی اور یہی لسانی اور تصحیح متن کی روایت پاک و ہند کی یونیورسٹیوں میں پھلنے پھولنے لگی تھی اور ادب کی تحقیق و تدقیق بھی اسی تحقیقی روایت کا حصہ ہے۔ (۸)

جہاں تک اردو تحقیق کے دبستانوں کا تعلق ہے تو جب تک محمد حسین آزاد لاہور میں تھے تو انھوں نے بہت سا تحقیقی کام سرانجام دیا۔ بیسویں صدی کے اوائل سے نصف صدی تک تحقیق کی یہ روایت حافظ محمود شیرانی کے گرد گھومتی ہے۔ انھوں نے تحقیق میں نئے مآخذ دریافت کیے۔ اس دور کے دوسرے محققین میں برجموہن دتاتریہ کیفی، پروفیسر محمد شفیع، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ڈاکٹر محمد باقر، قاضی فضل حق اور ڈاکٹر وحید مرزا کے ہاں حزم و احتیاط، ژرف نگاری سے متون کا مطالعہ، براہ راست مآخذ کا استعمال جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اسے ہم دبستان لاہور کہتے ہیں۔ (۹)

مولانا محمد حسین آزاد نے اردو زبان و ادب کے حوالے سے جو تحقیقی کام شروع کیا تھا اسے مولوی عبدالحق، نصیر الدین ہاشمی، شمس اللہ قادری، حافظ محمود خان شیرانی، برجموہن دتاتریہ کیفی اور سید سلمان ندوی وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ اور دکن، گجرات، شمالی ہند، پنجاب، بہار اور سندھ کے علاقوں میں اردو کی لسانی و ادبی نشو و نما کا سراغ لگایا اور ان موضوعات پر مستقل مقالات اور کتابیں تحریر کیں۔ (۱۰)

اردو میں تحقیق کی روایت پہلی جنگ عظیم کے بعد تنقید سے الگ ہوگئی۔ ابتدائی محققین نے حقائق کی جمع آوری اور واقعات کی صحت کا خیال تو رکھا لیکن حقائق کی تعبیر و تاویل اور

فلسفیانہ توجیہہ سے دامن کش رہے۔ تاریخ ادب کے لیے وہ خام مواد مہیا کر کے مطمئن ہو گئے
اور ادب کے تخلیقی عمل اور تنقیدی شعور سے کنارہ کش رہے۔ (۱۱)

۱۹۳۵ء اردو ادب کے لیے ایک نیا موڑ ثابت ہوا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر تمام
اصناف ادب معاشی اور سماجی ارتقاء کے حوالے سے جانچی اور پرکھی جانے لگیں۔ ادب اور
زندگی، اجتماعیت اور افادیت، حقیقت وواقعیت کے اصول ادبی دنیا میں تسلیم کیے جانے
لگے۔ اس دور میں تحقیق کی روایت کو امتیاز علی خاں عرشی، شیخ چاند، ڈاکٹر مسعود حسین خان،
ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر وحید قریشی نے آگے بڑھایا۔ انفرادی کام کے علاوہ مختلف
یونیورسٹیوں میں اردو میں تحقیقی کام شروع کرا کے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں تفویض کی جانے
لگیں۔ (۱۲) سجاد ظہیر نے اپنی تحقیق میں اُردو کی ابتدا کے بارے میں لکھا۔

قیام پاکستان کے وقت اردو تحقیق کے حوالے سے مولوی عبدالحق، نصیر الدین
ہاشمی، حافظ محمود خان شیرانی، قاضی عبدالودود ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر محی الدین قادری
زور، ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر عندلیب شادانی، شوکت سبزواری، اختر جونا گڑھی، ڈاکٹر غلام
مصطفی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، سخاوت مرزا کام کر رہے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جن افراد
نے اس میدان میں کام کیا ان میں ڈاکٹر عبادت بریلوی، کلب علی خاں فائق، ڈاکٹر محمد
باقر، ڈاکٹر وحید قریشی، اسمٰعیل پانی پتی اور خلیل الرحمن داؤدی کے نام اہمیت کے حامل
ہیں۔ ان سے بعد چند اہم محققین میں ڈاکٹر جمیل جالبی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر غلام حسین
ذوالفقار، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر نجم الاسلام، محمد اکرم چغتائی، غلام
رسول مہر اور ڈاکٹر سید معین الرحمن کے نام شامل ہیں۔ بھارت میں تحقیق کے ضمن میں قاضی
عبدالودود، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، رشید حسن خان، ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر
گیان چند، ڈاکٹر نذیر احمد اور مالک رام کے نام اہم ہیں۔ ڈاکٹر افتخار حسین (یورپ میں تحقیقی
مطالعے) نسیم فاطمہ، ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے نام بھی تحقیق کے باب میں اہم ہیں جبکہ دستاویزی
تحقیق میں سید جمیل احمد رضوی کا نام اہم ہے انھوں نے دستاویزی طریق تحقیق پر مقالہ
لکھا، اشاریہ سازی پر بھی انھوں نے ایک مقالہ تحریر کیا۔ سید سلیمان ندوی، عبدالقادری سروری
، احتشام حسین کا نام بھی تحقیق کے حوالے سے اہم ہیں۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان نے سائنٹیفک
اصولوں کی مدد سے تحقیق کو آگے بڑھایا۔ (۱۳)

اردو کے آغاز مولد کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں میں پیر حسام الدین راشدی بین الحق فرید کوٹی، پروفیسر حبیب اللہ غضنفر، پنڈت کیفی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر محمد شہید اللہ، پروفیسر شبیر علی کاظمی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر محمد صابر، ڈاکٹر عباداللہ کیانی، ڈاکٹر سہیل بخاری، سید مصطفیٰ علی بریلوی، کے نام اہمیت کے حامل ہیں جبکہ نسیم امروہوی اور وارث علی سرہندی نے لغت کے حوالے سے کام کیا۔ افسر امروہوی، ڈاکٹر سلطانہ بخش، ڈاکٹر سیدہ جعفری، ڈاکٹر عالی جعفری، مسلم ضیائی، پروفیسر سید وقار عظیم نے بھی اردو تحقیق میں نمایاں کام کیا۔ مسلم ضیائی نے غالبیات کے حوالے سے کام کیا۔ ان کا ایک بڑا کام ۱۹۶۹ء میں غالب کے منسوخ دیوان کی اشاعت ہے۔

مولوی عبدالحق نے تحقیقات کے ساتھ ساتھ قدیم کتب کی تدوین اور ان پر مفصل مقدمات سے اردو کے قدیم خزانوں سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ (۱۴) پرانے مخطوطات تلاش کر کے ان کو شائع کیا۔ انھوں نے تذکروں کی بازیافت میں خصوصی دلچسپی لی، قدیم کلاسیکی تصانیف کے متون پر توجہ دی اور انھیں ترتیب دے کر شائع کرایا۔ چمنستان شعراء از شفیق (۱۹۲۸ء)، مخزن نکات از قائم (۱۹۲۹ء)، تذکرہ ریختہ گویاں (گلشن راز) از گردیزی (۱۹۳۳ء)، مخزن شعرا از فائق (۱۹۳۳ء)، تذکرہ ہندی از مصحفی (۱۹۳۳ء)، عقد ثریا از مصحفی (۱۹۳۴ء)، ریاض الفصحا از مصحفی (۱۹۳۴ء)، نکات الشعرا از میر (۱۹۳۵ء)، گل عجائب از اسد علی خاں تمنا (۱۹۳۶ء) کے علاوہ نصرتی کی گلشن عشق، میر اثر کی خواب وخیال کو مرتب کیا۔ دواوین کی ترتیب میں عبدالحیٔ کا دیوان، انتخاب کلام میر (۱۹۲۱ء)، دیوان اثر (۱۹۳۰ء) اہم ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں ملا وجہی کی مشہور تصنیف سب رس اور ۱۹۳۸ء میں قطب مشتری اور ۱۹۴۳ء مین معراج العاشقین دریافت کی اور ان پر عالمانہ مقدمے لکھے ان تصانیف کے نسخے دریافت کر کے اصل متن مرتب کیا۔

مولوی عبدالحق نے تحقیق کو خشک نہیں بننے دیا۔ بلکہ انھوں نے ادبی تحقیق کو حوالے اور حواشی کی مدد سے آگے بڑھا کر شگفتہ اور شاداب بنا دیا ہے۔

مولوی عبدالحق نے وضاحتی فہرستیں بھی شائع کیں اور ادب کے قدیم ذخائر کو منظر عام پر لانے اور تحقیق ادب کے نئے اور تازہ ماخذ فراہم کرنے میں انھوں نے خصوصی دلچسپی لی۔

مولوی عبدالحق ایک ایسے محقق ہیں جو تحقیق کی قدر و قیمت جانتے ہیں خام مواد کے لیے

تنقید کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ (۱۵) مولوی عبدالحق نے اردو زبان کی ترویج و اشاعت
و نشوونما کے حوالے سے نہایت گرانقدر ادبی و تحقیقی خدمات سرانجام دی ہیں انھوں نے
تحقیق کے ابتدائی نقوش اور خدوخال کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ اسی صحیح سمت بھی عطا کی۔ ان
کی تحقیقی اور لسانی خدمات پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''زبان کی ساخت و پیدائش، سوسائٹی اور زبان کے تعلق، زبان کی حیثیت، زبان اور ہمارا تہذیبی و ثقافتی سرمایہ، زبان اور قومی کردار اور اسی قسم کے بڑے مفید اور اہم موضوعات پر مولوی صاحب نے قلم اٹھایا ہے زبان کے متعلق عموماً اور اردو زبان کے متعلق خصوصاً ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع ہے۔ اردو کی پیدائش اور اس کے ارتقاء، اس کے ماخذ و مبداء، اس کے اصول و قواعد، اس کے عروج و زوال کے اسباب، اس کے مزاج کی ساخت اور خصوصیات سے کماحقہٗ واقفیت کے لیے ''خطبات عبدالحق'' کا مطالعہ ضروری ہے۔''(۱۶)

اردو تحقیق میں ایک معتبر نام حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۸ء۔۱۹۴۶ء) کا ہے۔ انھوں نے جدید مغربی تحقیقی اصولوں کو اپنا کر اردو میں تحقیق کی بنیاد مضبوط کی۔ انھوں نے تحقیق میں حوالوں، مختلف ذرائع سے اور ماخذات سے حاصل ہونے والی معلومات کے لیے چھان بین اور جرح و تعدیل کی ایک مستند اور قابل اعتبار روایت قائم کی۔

جہاں تک شیرانی کی تنقید کا تعلق ہے تو وہ تنقید کرتے وقت تحقیق کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور اس تحقیقی عمل سے اپنے نتائج اخذ کرتے ہیں۔

> ''شیرانی بنیادی طور پر استخراجی محقق ہیں جس کے بہترین نمونے تنقید شعر العجم میں ملتے ہیں۔ انھوں نے شعر العجم کا جائزہ تحقیقی و تنقیدی تناظر میں کیا ہے۔''۔(۱۷)

شیرانی کا ایک بڑا کام یہ کہ انھوں نے تحقیق متن کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ قصہ چہار درویش اور خالق باری امیر خسرو کی تصانیف نہیں ہیں۔ شیرانی نے تنقید شعر العجم، پرتھوی راج راسا، تنقید آب حیات اور پنجاب میں اردو جیسی اہم تحقیقی کتابیں چھوڑی ہیں۔
رشید حسن خان نے انھیں اردو کا پہلا محقق قرار دیا ہے۔ (۱۸)

۱۹۵۱ء میں کراچی یونیورسٹی قائم ہوئی تو سندھ یونیورسٹی حیدر آباد میں منتقل ہوگئی اور

کراچی یونیورسٹی نے مولوی صاحب کو اعزازی پروفیسر کے طور پر اپنے کاموں میں شریک کرلیا ۔مولوی عبدالحق نے ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کو جنھوں نے ''لکھنو کا دبستان شاعری '' کے موضوع پر علی گڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۴۲ء میں پی ایچ ڈی کی تھی ،بطور ریڈر یونیورسٹی اپنے ساتھ منسلک کرلیا تو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی زیرنگرانی کراچی یونیورسٹی میں پی ۔ایچ ۔ڈی کی تحقیق کا آغاز ہوا ۔(۱۹) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی محقق ، ماہر لسانیات اور نقاد ہیں ۔انھوں نے لکھنو کا دبستان شاعری کے نام سے پہلی تحقیقی کاوش کی ۔قیام پاکستان کے بعد قدیم لغات میں اردو الفاظ کی تحقیق کے حوالے سے کام کیا اور جدید علم لسانیات کی روشنی میں اردو کی لسانی مطالعہ پیش کیا۔ عبدالماجد دریابادی نے انشائے ماجد ، اکبر نامہ اور ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ مصحفی کی مثنوی ''بحر المحبت '' تدوین کی۔

رشید حسن خان کی مرتب کردہ ''فسانہء عجائب'' اور ''باغ و بہار'' مشفق خواجہ کی تحقیقی تالیف ''جائزہ مخطوطات اردو'' ،عرشی صاحب کے مرتب کردہ دیوان غالب، دستور الفصاحت، مجموعہ نغز ،افسر امروہوی کی مرتب کردہ مثنوی'' برہ بھبھوکا'' از فضلی ، پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کا کام ''فارسی پر اردو کا اثر'' اور ثقافتی اردو، ڈاکٹر مختار الدین احمد اور مالک رام کی مرتبہ کردہ فضلی کی ''کربل کتھا'' تدوین و تحقیق کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور (۱۸۶۲ء۔۱۹۵۵ء) نے ادارہ ادبیات اردو کے مخطوطات کی وضاحتی فہرستوں کو ترتیب دیا ہے اور ترتیب متن اور مخطوطات شناسی کے فن پر کام کیا ہے ۔ان کی کتابوں میں شہ پارے (۱۹۲۸ء)،اور کلیات قلی قطب شاہ اہمیت کی حامل ہیں ،اسالیب بیاں ، سید محمد مومن کی سوانح حیات (۱۹۴۱ء)،تذکرہ اردو مخطوطات اور ہندوستانی لسانیات بھی اہم ہیں ۔انھوں نے فہرست سازی کے بجائے توضیحات وتشریحات کے ذریعے مخطوطات کے متن کو جانچنے کا کام کیا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی (۱۸۶۵ء۔۱۹۴۴ء) کا نام بھی اردو تحقیق میں اہمیت کا حامل ہے ان کی کتابوں میں دکن میں اردو، سلاطین دکن کی ہندوستانی شاعری، حضرت امجد کی شاعری ، مدراس میں اردو،، دکنی قدیم اردو شامل ہیں اس کے علاوہ انھوں نے قلمی کتابوں کی وضاحتیں فہرستیں بھی مرتب کی ہیں۔

مسعود حسن رضوی ادیب (۱۸۹۲ء۔۱۹۷۹ء) کی تحقیق اور تحقیق کا طریقہ کار سائنٹفک

اصولوں پر مبنی ہے۔ انھوں نے فائز دہلوی کا دیوان مرتب کیا،متفرقات غالب تصنیف کی۔اردو کا شاہی اسٹیج ،اودھ کا عوامی اسٹیج جیسی تحقیقی کتب لکھی ہیں اور انیس کے کلام کے متن کی تصحیح بھی کی ہے۔

قاضی عبدالودود کا مضمون ''مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق'' کے عنوان سے معاصر پٹنہ میں شائع ہوا جو تحقیق کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔ ''شاہ کمال علی دیوروی عظیم آبادی'' کے عنوان سے طویل تحقیقی لکھا۔تذکرہ شعراء مصنفہ ابن طوفان ،دیوان جوشش،قاطع برہان ورسائل متعلقہ اور شہر آشوب قلق جیسی کتابیں ترتیب دیں ۔ان کے دو مضامین کے مجموعے''عیارستان''اور''اشتر وسوزن'' بھی تحقیقی اہمیت رکھتے ہیں۔

امتیاز علی عرشی نے غالب کے حوالے سے تحقیق پیش کی ہے۔پروفیسر عبدالقادر سروری کا تعلق دکن سے ہے۔اپنی تحقیقی کتاب ''جدید شاعری'' میں انھوں نے بیانیہ ،غنائی ڈرامائی، اخلاقی ،ہجویہ،مدحیہ وغیرہ اقسام شاعری کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تحقیق پیش کی ہے اور واضح نتائج اخذ کیے ہیں۔ (۲۰) اس کے علاوہ انھوں نے ابن نشاطی کی مثنوی 'پھول بن' کا متن ترتیب دیا،کلیات سراج ،شاہ صدرالدین کی مراۃ الاسرار کی تدوین واشاعت بھی کی۔پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی کتب ''منشورات'' اور''کیفیہ'' ۱۹۳۴ء اور ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئیں۔

پروفیسر حامد حسن قادری کی معروف کتاب ''داستان زبان اردو'' ہے انھیں اردو ادب کے مؤرخ کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

شیخ محمد اکرام ماہر غالبیات کی طور پر سامنے آئے ہیں۔ان کی کتابیں غالب نامہ،آب کوثر،موج کوثر اور رود کوثر سے ان کی تحقیق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سید محمد نے ''ارباب نثر اردو'' کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں پہلی بار انھوں نے فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی نثری خدمات کا تفصیل سے جائزہ پیش کیا ہے۔انھوں نے ترتیب متن میں خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی کا تذکرہ ''گلشن گفتار'' ۱۹۳۹ء ، فضلی ،دیوان عبداللہ قطب شاہ،محمد علی عاجز کی مثنوی ''ملکۂ مصر'' اور مثنویات میر جیسے کام انجام دیے۔

نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شروانی کا نام بھی تحقیق کے حوالے سے اہم ہے۔

شیخ چاند کا نام جدید محققین میں شامل کیا جاتا ہے۔ ''سودا'' ان کی تحقیقی کتاب کا نام

ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا فن تحریر اختصار سے عبارت ہے۔ وہ تحقیق کے خارزار سے گلاب چن لاتے ہیں زندگی کے عام معاملات ہوں یا تحقیق ،تنقید وادارت کے بحرِ بے کراں ،تاریخ ادب اردو کا وسیع میدان ہو یا مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (۱۴۳۵ـ۱۴۲۱ء) کی تالیف کی سنگلاخ چٹانیں ڈاکٹر صاحب ایک بہادر جرنیل کی طرح پوری استقامت سے پیش قدمی کرتے ہیں (۲۱) ڈاکٹر جمیل جالبی بیک وقت نامور محقق، ادبی مؤرخ، ماہر لسانیات ولغت نویس اور ماہر دکنیات ہیں۔ وہ واقعات کی کڑیاں جوڑنا اور تحقیق کرنا جانتے ہیں۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری کو ماہر لسانیات کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں۔ انھوں نے اپنی تحقیق میں اردو کا رشتہ پالی سے جوڑا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے اپنی کتاب ''اردو زبان کا ارتقا'' میں اردو کے مختلف ناموں کا مستند حوالوں کی مدد سے جائزہ لیا۔ ڈاکٹر محمد باقر نے اردوئے قدیم کے متعلق چند تصریحات کے حوالے سے تحقیق پیش کی کہ مراد شاہ لاہوری نے لفظ ''اردو'' کو سب سے پہلے زبان کے معنوں میں استعمال کیا تھا۔ محمود شیرانی اور غلام دستگیر نامی بھی اسی بات کی حمایت کرتے ہیں ۔مگر ڈاکٹر اے حلیم نے اصرار کیا کہ یہ لفظ سب سے پہلے میر عطا حسین تحسین نے اپنی کتاب ''نوطرز مرصع'' میں استعمال کیا ہے۔ لیکن تحسین نے اردو کی بجائے ''زبان اردوئے معلی لکھا ہے۔ (۲۲) پروفیسر سید شبیر علی کاظمی نے بھی اردو کے مختلف ناموں کے حوالے سے کام کیا۔

عبدالقادری سروری نے عثمانیہ یونیورسٹی میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۲ء تک صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے کام کیا۔ انھوں نے جامعہ عثمانیہ میں اردو مخطوطات کی تفصیلی فہرست، اردو کی ادبی تاریخ، زبان اور علم زبان کے علاوہ مختلف کتابوں کی ترتیب وتدوین ہے۔ سید وقار عظیم نے امانت کی اندر سبھا، شرر کی فردوس بریں اور آغا حشر کاشمیری کے منتخب ڈرامے مرتب کر کے مبسوط مقدموں کے ساتھ شائع کیے ہیں اور دیوان مومن کا انتخاب بھی ترتیب دیا ہے۔

لسانی تحقیق کے حوالے سے ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، سید سلمان ندوی، احتشام حسین، عبدالقادر سروری، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، شوکت سبزواری، عین الحق فرید کوٹی، خلیل صدیقی، اقتدار حسین خان، الٰہی بخش اختر اعوان، رشید اختر ندوی، ڈاکٹر سہیل بخاری، شان الحق حقی، شبیر علی کاظمی، شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر گیان چند، میمن

عبدالمجید سندھی، نصیر حسین خیال، فارغ بخاری کے نام قابل ذکر ہیں۔

قدیم دکنی متون کی تلاش اور اس کی تدوین کے حوالے سے ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، سید محمد شمس القادری، ہاشمی فرید آبادی، ڈاکٹر مسعود حسین خان، کے علاوہ ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر حفیظ قتیل، مبارزالدین رفعت، اکبرالدین صدیقی، سخاوت مرزا، ثمینہ شوکت، سیدہ جعفر، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، آمنہ خاتون، ڈاکٹر فہمیدہ بیگم کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

ایک اہم موضوع جس پر بھارت میں خصوصیت کے ساتھ اردو کے محققین نے توجہ کی ہے وہ شعرا اور نثر نگاروں کے دواوین، کلیات اور نثری تصانیف کی بازیافت، ترتیب و تدوین اور اشاعت ہے۔ نثار احمد فاروقی نے کلیات مصحفی جلد دوم مرتب کی۔ (۲۳)

تحقیق حقائق کی جستجو اور بازیافت کا نام ہے یہ علم وفن کے ہر شعبے کیلئے اشد ضروری ہے۔ یہ محض آثار قدیمہ کی تلاش کا کام نہیں ہے بلکہ اس سے تخلیقی منظر نامے پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بقول مظہر محمود شیرانی:

> "سائنسی تحقیق کا انحصار تجربہ پر ہے اس لئے اس کا رخ مستقبل کی طرف ہوتا ہے جبکہ ادبی اور تاریخی تحقیق کو ماضی سے سروکار ہے۔ تخلیقی منظر نامے کا تعلق حال سے ہے ادبی تحقیق اس پر براہ راست اثر انداز نہ بھی ہو تب بھی تخلیق کی راہیں متعین کرنے میں تنقید کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ادھر تحقیق، تنقید کو حقائق کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یوں بالواسطہ طور پر ادبی تحقیق تخلیقی منظر نامے پر کسی حد تک اثر انداز ہوتی ہے۔" (۲۴)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، اکرام چغتائی، خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر اے بی اشرف، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی وغیرہ کا نام اہم محققین میں شامل ہے۔

سرفراز علی رضوی اور افسر امروہوی مخطوطات انجمن ترقی اردو کی فہرست مرتب کی۔ محمد اکرام چغتائی نے نے اشپرنگر کی مرتب کردہ فہرست شاہان اودھ کے مخطوطات کو اردو میں منتقل کی اور اس پر مقدمہ لکھا۔

ڈاکٹر سعید اختر درانی سائنسدان ہونے کے باوجود ادب سے لگاؤ رکھتے ہیں انھوں نے

علامہ اقبال پر تحقیقی کام کیا ہے اور اقبالیات کے حوالے سے کئی قابل ذکر تحقیقات پیش کی ہیں محقق حقائق کے بارے میں چھان پھٹک اور تجزیے کے بعد کوئی سند جاری کرتا ہے۔ڈاکٹر سعید اختر درانی کی تحقیق بھی اسی اصول پر گامزن ہے۔ڈاکٹر صدیق شبلی لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر درانی بنیادی طور پر ایک سائنسدان ہیں اس لیے ان کی تحقیق میں بھی سائنٹیفک انداز پایا جاتا ہے۔وہ تسلیم شدہ باتوں کو بلا سوچے سمجھے قبول نہیں کرتے۔'' (۲۵)

قیام پاکستان کے بعد جہاں ابواللیث صدیقی نے لغات اور الفاظ کے حوالے سے کام کیا اور ایک مقالہ ''چند قدیم لغات'' لکھا، وہاں لغات ہی کے سلسلے میں سخاوت مرزا نے ''تحقیقات الفاظِ ہندی غرائب اللغات'' کے عنوان سے مقالہ لکھا۔غرائب اللغات مولفہ عبدالواسع ہانسوی کے الفاظ کی تحقیق پر خان آرزو نے وقیع کام کیا تھا۔جسے ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے مقدمے اور تصحیح کے ساتھ مرتب کیا۔ (۲۶)

ڈاکٹر معین الدین عقیل مختلف جامعات سے منسلک رہے۔انھوں نے اردو تحقیق کو وسعت دینے اور اس کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔وہ حوالہ جات اور مکمل ماخذات کے ساتھ تحقیقی مقالات پیش کرنے کے فن سے آگاہ ہیں۔تحقیق کے میدان میں ان کی کتاب ''اردو تحقیق۔صورت حال اور تقاضے'' اہمیت کی حامل ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا نام اردو ادب اور تحقیق میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری ستارۂ امتیاز کو ان کے تحقیقی کام اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۲ء) پر ۱۹۷۲ء کے داؤد ادبی انعام سے بھی سرفراز کیا گیا۔پاکستانی جامعات سے وابستہ وہ پہلے اور واحد محقق اور پروفیسر ہیں جنھیں اردو میں بیک وقت پی.ایچ.ڈی اور ڈی لٹ کی اسناد فضیلت حاصل ہیں۔ (۲۷)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اردو کے ایک بے مثال محقق ہیں۔ان کے نمایاں تحقیقی کارناموں میں اردو کی منظوم داستانیں، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، اور اردو رباعی۔فنی اور تاریخی ارتقا قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ ان کی تصانیف میں اردو کی بہترین مثنویاں، اردو املا وقواعد اہم ہیں۔ (۲۸)

اردو تحقیق کی یہ خوش نصیبی ہے کہ بہت سے لوگوں نے نجی اور انفرادی طور پر بھی تحقیق میں قابل قدر کاوشیں انجام دی گئی ہیں۔مولوی عبدالحق، عندلیب شادانی، سید عبداللہ، مولوی محمد

شفیع ،شوکت سبزواری، اختر جونا گڑھی ،ڈاکٹر غلام مصطفےٰ ،ابواللیث صدیقی ،سخاوت مرزا، قیام پاکستان سے قبل بھی تحقیق سے تعلق کے حامل تھے۔انھوں نے اپنی عالمانہ اور محققانہ کاوشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم ابھی تک اردو میں تحقیق کی کوئی واضح سمت یا منزل کا تعین نہیں کر سکے۔

بعد ازاں تحقیق میں جن افراد نے نمایاں کام کیا ان میں کلب علی خاں فائق ،اسمٰعیل پانی پتی اور خلیل الرحمن داؤدی،ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ڈاکٹر نجم الاسلام ،غلام رسول مہر، اقبالیات کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور ڈاکٹر محمد ریاض کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو میں تحقیق کے حوالے سے کام کی ابھی بہت زیادہ گنجائش موجود ہے۔ادب کے کئی گوشے ابھی تشنۂ تحقیق ہیں۔بہت سی باتوں کی ابھی وضاحت ہونا باقی ہے۔کئی اسرار ابھی سامنے آنے ہیں اور کئی بھیدوں سے پردہ اٹھنا ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ مولوی عبدالحق،ڈاکٹر سید عبداللہ،جمیل جالبی، مشفق خواجہ ،عندلیب شادانی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر سلیم اختر، ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر سید معین الرحمن، سحر انصاری، شوکت سبزواری، گیان چند، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر معین الدین عقیل وہ چیدہ چیدہ نام ہیں جنھوں نے اردو تحقیق میں نام پیدا کیا اور اپنی محنت وکاوش سے اردو تحقیق کے دائرے کو وسیع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔انھوں نے اصناف ادب اور اہلِ قلم کے بارے میں کارآمد معلومات جمع کر کے تاریخ ادب کو کئی لحاظ سے وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔

بیسویں صدی کے نصف سے لے کر آخری عشروں میں مختلف حوالوں سے تحقیق کرنے والوں میں قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی ،محمود حسین ، عبدالواحد سندھی، آصف جیلانی ،مسلم ضیائی ، سید وقار عظیم ، مختار زمن، مسعود احمد برکاتی، ریاض صدیقی ،عبدالقادر سروری، سید شبیر کاظمی کا مضمون، عبدالماجد دریا بادی، شانتی رنجن بھٹاچاریہ ،شفقت رضوی ، پروفیسر شریف کنجاہی، فارغ بخاری ،ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی ،کامل القادری ،ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری، مسعود حسین ، افسر صدیقی امروہوی، رالف رسل، سلطان محمود ، سلیم الدین قریشی ،عارف لکھنوی، شگفتہ بخاری، سید سبط حسن ،حنیف فوق، سحر انصاری، ڈاکٹر عطش درانی کے نام قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے تحقیق کے حوالے سے مختلف کام کیے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ادبی تحقیق کا بنیادی اصول کے حوالے سے لکھا اور اردو میں تنقید کے ارتقا حوالے سے اپنی تحقیق پیش کی۔ڈاکٹر عبادت بریلوی نے میر حسن کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی ''خانہ میر حسن'' کے بارے میں بھی تحقیقی معلومات پیش کی ہیں۔ڈاکٹر عبادت بریلوی نے غالب کے ایک غیر مطبوعہ خط کے حوالے سے تحقیق کی ہے جو کہ انھیں انگلستان کے کتب خانے سے ملا جو کہ مولوی نعمان احمد صاحب تعلقہ دار مہوا پر گز مہولی ضلع سیتا پور کے نام لکھا گیا ہے۔

آغا افتخار حسین نے روس میں اردو، فرانس میں اردو، چیکوسلواکیہ میں اردو، اٹلی میں اردو، چینی ادب . کے حوالے سے تحقیق پیش کی۔نثار احمد فاروقی نے غالب اور غالبیات کے ضمن میں گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں ۔ وہ غالب کے معترف بھی ہیں اور نقاد و محقق بھی ۔پروفیسر اختر انصاری، حسن خاج سید جوادی ، مودود احمد صابری، شمیم حنفی، خورشید قائم خانی، احمد رئیس ،میر حسین علی امام اور محمد علی صدیقی نے بھی تحقیقی مضامین لکھے ہیں۔ پروفیسر ضیاء ملک نے ''کنیڈا میں اردو کے بارے میں تحقیق پیش کی۔

ڈاکٹر مظفر عباس کا مضمون ''اردو کا پہلا سفر نامہ'' ایک تحقیقی مضمون ہے جس میں سید احمد شہید کی سوانح احمدی اور یوسف حسین کمبل پوش کے سفر نامہ عجائبات فرنگ کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے شیکسپئر کے اردو تر جمے کے عنوان سے شیکسپئر کے ڈراموں کے تراجم کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

بیسویں صدی کی طرح اکیسویں صدی میں بھی اردو ادب میں تحقیق کا کام جاری ہے۔ مختلف یونیورسٹیوں میں ادبی تحقیق باقاعدہ طور پر جہاں ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی کے مقالات میں پروان چڑھ رہی ہے وہاں یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبائے تحقیق اور اساتذہ کی تحقیقی کاوشیں مختلف تحقیقی رسائل وجرائد کی زینت بھی بن رہی ہیں۔مختلف یونیورسٹیوں سے تعلق رکھنے والے تحقیق میں مصروف اساتذہ میں ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر طاہر تونسوی ، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر نجیب جمال، ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر روبینہ ترین، ڈاکٹر عقیلہ بشیر، ڈاکٹر شفیق احمد، ڈاکٹر سعادت سعید، ڈاکٹر فخر الحق نوری ، ڈاکٹر یوسف خشک، ڈاکٹر صوفیہ خشک، ڈاکٹر قاضی عابد، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ، ڈاکٹر نجیبہ عارف، ڈاکٹر راشد حمید، بادشاہ منیر بخاری، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، ڈاکٹر عامر سہیل، ڈاکٹر شفیق انجم، ڈاکٹر نعیم مظہر، ڈاکٹر ظفر احمد، ڈاکٹر اشرف کمال کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد نے زیادہ عرصہ اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف یونیورسٹیوں ...
ادبی تحقیق کو پروان چڑھایا، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ ان کا خاص تحقیقی کام ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کا حسن رضوی ادیب کے حوالے سے تحقیقی کام اہمیت کا حامل ہے۔
اس کے علاوہ سرائیکی زبان وادب کے حوالے سے بھی انھوں نے تحقیقی کام کیا ہے۔

ڈاکٹر ظفر اقبال جامعہ کراچی میں تحقیق اور تدریس ادب میں مصروف رہے۔ وفاقی اردو
یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔

ڈاکٹر یوسف خشک نے ''اردو سندھی کے ادبی روابط'' کے حوالے سے تحقیقی کام کیا۔
سندھ یونیورسٹی جامشورو سے منسلک ڈاکٹر جاوید اقبال نے مکتوبات امیر مینائی کا تحقیقی
مطالعہ پیش کیا۔ سندھ یونیورسٹی ہی سے مرزا سلیم بیگ نے بھی تحقیقی مضامین لکھے۔

ڈاکٹر قاضی عابد نے اردو افسانے کا اساطیر کی روشنی میں تحقیقی جائزہ پیش کیا۔

ڈاکٹر راشد حمید مقتدرہ قومی زبان حالیہ ادارہ فروغ اردو میں کام کر رہے ہیں انھوں نے
اقبال کے حوالے سے تحقیقی کام کیا ہے۔

فتح محمد ملک اور تجمل شاہ اور سید سردار احمد پیرزادہ نے اردو پنجاب میں، سندھ میں،
اباسین میں، کشمیر میں کے حوالے سے ۵ جلدیں مرتب کیں۔

اخلاق حیدرآبادی کی تحقیق زبانوں کے حوالے سے ہے۔ ان کا کام ہندی اور گورمکھی
رسم الخط کے حوالے سے قابل ذکر ہے۔ رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد سے منسلک ہیں۔

ڈاکٹر محمد آصف اعوان نے اقبال کے خطبات کو تحقیق کا موضوع بنایا۔ ڈاکٹر ارشد اویسی
نے مختلف قانون ساز اسمبلیوں میں اردو کے حوالے سے تحقیق کا ڈول ڈالا۔ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم
نے پاکستانی ادب کے حوالے سے کتاب شائع کی۔

خواتین محققین میں ڈاکٹر نجیبہ عارف، ڈاکٹر تنظیم الفردوس اور ڈاکٹر فردوس انور
قاضی، ڈاکٹر صوفیہ خشک، ڈاکٹر روبینہ رفیق، ڈاکٹر عظمیٰ فرمان، ڈاکٹر عظمیٰ سلیم، ڈاکٹر طاہرہ
اقبال، صدف نقوی، جیسی خواتین نے بھی تحقیق کے خارزار میں قدم رکھا۔

اگر ہم بیرون ملک اردو محققین کے نام گنیں تو ہمیں ناموں کی ایک کہکشاں نظر آئے گی
جن میں ڈاکٹر اے بی اشرف، ڈاکٹر خلیل طوقار، ڈاکٹر جلال سویدن، ڈاکٹر آرزو، ڈاکٹر سلیم
ملک، ڈاکٹر محمد کیومرثی، ڈاکٹر علی بیات کے علاوہ بے شمار نام شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، اردو ادب دوم، ساتویں جلد، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء

۲۔معراج نیر زیدی، بابائے اردو فن اور شخصیت، لاہور، مکتبہ ابلاغ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۵۵

۳۔محمد زکریا' خواجہ، تذکرے، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، آٹھویں جلد، ۱۹۷۱ء

۴۔فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اردو شعرا کے تذکرے، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، جلد نویں ۱۹۷۲ء، ص ۵۷۸

۵۔ابن کنول، تحقیق وتنقید، دہلی، کتابی دنیا، ۲۰۰۶ء، ص ۲۶۸

۶۔ایضاً، ص ۲۷۱، ۲۷۲

۷۔ایضاً، ص ۲۷۳، ۲۷۴

۸۔وحید قریشی' ڈاکٹر، مقالات تحقیق، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۹

۹۔نقوش، اردو تحقیق کی روایت ایک مصاحبہ، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، جمیل جالبی سے گفتگو، شمارہ ۱۴۱، ص ۶۷۵

۱۰۔شمس الدین صدیقی' ڈاکٹر، تحقیق وتنقید، مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، جلد دسویں، ۱۹۷۲ء، ص ۱۸۲

۱۱۔وحید قریشی' ڈاکٹر، مقالات تحقیق، ص ۱۸

۱۲۔شمس الدین صدیقی، تاریخ ادبیات، جلد دسویں، ص ۴۶۷

۱۳۔معین الدین عقیل' ڈاکٹر، اردو تحقیق ۔صورت حال اور تقاضے، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۷ تا ۲۶

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص ۱۷۱
۱۵۔ شکیل الرحمن، ادبی تحقیق اور جمالیات، خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ شمارہ ۱۳۱ جنوری مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۳۰
۱۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ادبیات وشخصیات، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴
۱۷۔ ابن کنول، تحقیق وتنقید، ص ۲۷۶
۱۸۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۱ء
۱۹۔ نورینہ تحریم بابر، اردو تحقیق روایت اور امکانات، اخبار اردو اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۹۱
۲۰۔ ابن کنول، تحقیق وتنقید
۲۱۔ نسیم فاطمہ (مرتبہ) ڈاکٹر جمیل جالبی۔ سوانحی کتابیات، لاہور، یونیورسل بکس ۱۹۸۸ء، ص ۹، ۱۰
۲۲۔ اردو میں لسانی تحقیق۔ روایت اور مسائل، از ڈاکٹر معین الدین عقیل، تحقیق شمارہ نمبر ۱۴، ص ۴۷
۲۳۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ۱۹۴۷ء کے بعد بھارت میں اردو زبان اور مطالعہ زبان، مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، جلد دسویں، ص ۱۸، ۱۷، ۱۹
۲۴۔ خالد ندیم، پروفیسر، مظہر محمود شیرانی کی باتیں، ادبی ایڈیشن روزنامہ نوائے وقت، ۲۵۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء
۲۵۔ صدیق شبلی، ڈاکٹر، اقبال یورپ میں۔ ایک مطالعہ، مشمولہ افکار کراچی، اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۲۵
۲۶۔ اردو میں لسانی تحقیق از ڈاکٹر معین الدین عقیل، مشمولہ تحقیق سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ نمبر ۱۴، ۲۰۰۶ء، ص ۴۶
۲۷۔ معین الرحمن، سید ڈاکٹر، اردو تحقیق یونیورسٹیوں میں، لاہور، یونیورسل بکس ۱۹۸۹ء، ص ۱۱۷
۲۸۔ نورینہ تحریم بابر، اردو تحقیق روایت اور امکانات، اخبار اردو اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۲ء ص ۹۱

تحقیق کی اقسام

علم وادب اور تنقید کی طرح تحقیق بھی ایک وسیع میدان ہے جس کا دائرہ کار تمام علوم اور کائنات اور اس میں موجود ہر شے پر محیط ہے۔ اپنی اسی اہمیت کے اعتبار سے تحقیق کی بہت سی قسمیں ہیں مگر نوعیت کے اعتبار سے اسے ہم دو اقسام میں بیان کر سکتے ہیں۔

مقداری تحقیق (Quantitative Research)

معیاری تحقیق (Qualitative Research)

مقداری اور معیاری تحقیق میں بہت زیادہ فرق ہے۔ مقداری تحقیق میں ہم ایسی معلومات اور حقائق کو جمع کرتے ہیں جنھیں آسانی سے ناپا جا سکے، گنا جا سکے یا جن سے دو جمع دو کی طرز پر نتیجہ حاصل کیا جا سکے۔ ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقداری تحقیق کے نتائج ایک ہی جیسے ہوں گے چاہے جو بھی محقق اس حوالے سے تحقیق کرے۔ اشاریے، فہرستیں، سروے، متن میں الفاظ وتراکیب، اصطلاحات واستعارات کی تعداد کا تعین، کتابیات وغیرہ مقداری تحقیق میں شامل ہیں۔

معیاری تحقیق میں کسی چیز کی کیفیت اور معیار پر بات کی جاتی ہے، اس کے اثرات، امکانات، افادات اور نتائج پر بات کی جاتی ہے۔ ادبی تحقیق میں زیادہ تر تحقیقی سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے اور تحقیقی نتائج مرتب کرنے کے لیے معیاری تحقیق کو برتا جاتا ہے۔ معیاری تحقیق میں تنقید کا ایک بڑا حصہ شامل ہوتا ہے۔ ہم تحقیقی مواد کو تنقیدی چھلنی سے گزارتے ہوئے ان کے معیارات کا تعین کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس تحقیق میں تاریخی، سوانحی اور شخصی تحقیق وغیرہ آ جاتی ہیں۔

مقاصد کے حوالے سے تحقیق کی تین اقسام ہو سکتی ہیں:

بنیادی تحقیق:(Basic Research)

بنیادی تحقیق کا مقصد کسی بھی شے کو جانچنا، صداقت کو پرکھنا اور بنیادی نوعیت کے حقائق کو دریافت کرنا ہے۔ نظری تحقیق، فلسفیانہ تحقیق، ادبی تحقیق وغیرہ سب اس کی ذیلی اقسام میں آجاتی ہیں۔ یہ ایک بنیادی مطالعہ ہے جو کہ اصول بنانے اور نظریات سازی میں استعمال ہوتا ہے۔

اطلاقی تحقیق:(Applied Research)

اطلاقی تحقیق کو فنکشنل تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔ اطلاقی میں حاصل شدہ حقائق اور معلومات کی روشنی میں مسائل کے حل کو تلاش کرنے میں مدد دیتی ہے۔ سائنسی اور تجرباتی تحقیق میں اس کا استعمال زیادہ تر مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس کے مقاصد طے شدہ ہوتے ہیں اور یہ عملی اور افادی پہلو رکھتی ہے۔ اس میں تحقیقی نظریات کا اطلاق عمل میں لایا جاتا ہے۔

عملی تحقیق:(Action Research)

مسائل کے حل کے لیے مختلف نظریات اور سائنسی طریق کا اطلاق عملی تحقیق کہلاتا ہے۔ اسے فعلی تحقیق بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو نظریہ سازی کی جاتی ہے اور نہ اطلاقی تحقیق کی طرح نظریات کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ عملی تحقیق تو بس تحقیق کے نظریات کی عملی کوشش کا نام ہے۔ یہ تحقیقی مقصد کے حصول میں مدد دیتی ہے۔

سائنس اور ادب کے حوالے سے طریق کار کے اختلاف کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اسے دو بنیادی قسموں میں بیان کر سکتے ہیں۔

سائنسی اور تجرباتی تحقیق

سائنسی تحقیق میں کائنات یا اشیاء کے بارے میں بازیافت کا عمل ہوتا ہے۔ سائنسی تحقیق میں تجزیاتی طریق تحقیق اختیار کیا جاتا ہے۔ اس میں میڈیکل، انجینئرنگ، زراعت، فزکس، کیمسٹری وغیرہ کے علوم شامل ہوتے ہیں۔ جب کہ سماجی سائنس میں سروے رپورٹوں کو

اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

سائنسی اور تجرباتی تحقیق میں زیادہ تر کام تجربہ گاہوں میں کیا جاتا ہے، فزکس، کیمسٹری، باٹنی، زوآلوجی، جغرافیہ وغیرہ وہ علوم ہیں جن میں تحقیق کے لیے تجربہ گاہ کا ہونا ناگزیر ہے۔

ادبی تحقیق

تاریخی یا سوانحی تاریخ میں انسانوں کے افعال، کردار اور فن پر تحقیق کی جاتی ہے جب کہ ادبی تحقیق زیادہ تر تاریخی تحقیق پر مبنی ہوتی ہے مگر بعض اوقات اس میں تجزیاتی پہلو بھی آجاتے ہیں۔

ادبی تحقیق کا دائرۂ اختیار پورے ادب کو محیط ہے، ادب کو مختلف پہلوؤں سے دیکھنا پرکھنا اور ادوار کے حوالے سے اس کی تحقیق کرنا اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے۔ جہاں اس سے تحقیق کے میدان میں اضافے ہوتے ہیں وہاں سماجی ومعاشرتی حوالے سے بھی تحقیق وتجزیہ کی روایت کو فروغ ملتا ہے۔

تحقیق کی اقسام بہت سی ہوسکتی ہیں۔ محققین نے مختلف حوالوں سے ان قسام کی درجہ بندی کی ہے۔

ڈاکٹر دین دیال گپت نے تحقیق کی سات اقسام بتائی ہیں:

> ''حقائق اشیاء کی تحقیق، جذبات کی تحقیق، افکار کی تحقیق، روایات کی تحقیق، فنی تحقیق، لسانی تحقیق، اور تدوین متن۔ (۱)

علوم وفنون میں ترقی کے امکانات کے لیے تحقیقی سوچ کو پروان چڑھانا نہایت ضروری ہے تحقیق کا تعلق چونکہ ہر شعبۂ علم سے ہے، اسی لیے تحقیق کی اقسام بھی متنوع ہیں۔

ان اقسام میں سوانحی وتاریخی تحقیق جس میں کسی ادیب، اس کی تصانیف یا صنف پر مشتمل تصانیف پر تحقیقی گفتگو کی جاتی ہے۔ تدوین متن، حوالہ جاتی تحقیق میں وضاحتی فہرستیں، اشاریے اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ بین العلومی تحقیق جس میں ادب اور دوسرے مضامین پر تحقیق کی جاتی ہے۔ (۲)

مختلف حوالوں سے تحقیق کی درج ذیل اقسام سامنے آتی ہیں۔

وضاحتی تحقیق / حوالہ جاتی تحقیق

وضاحتی تحقیق میں اشاریے، توضیحی اشاریے، کتابیات، توضیحی کتابیات، فہرستیں، لغات، انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کے حوالے سے کام کیا جاتا ہے۔ جن کا مقصد صرف تحقیق کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ تحقیق کے لیے مواد فراہم کرنا بھی ہوتا ہے۔ یہ ادب کے علاوہ دوسرے علوم کے حوالے سے بھی کی جاسکتی ہے۔

تدوینی تحقیق

تدوینی تحقیق مخطوطات یا قلمی نسخوں یا دواوین کی تدوین کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس میں متن کی ترتیب و تدوین کا کام کیا جاتا ہے۔ اس کی حدود دستاویزی حدود سے بھی ملتی ہیں۔ کیونکہ اس میں تحقیق کا سارا دارومدار متن پر ہوتا ہے۔

تدوینی تحقیق میں پرانے ادبی اور تاریخی خزانوں کو منظر عام پر لا کر حقائق کو نئے سرے سے ترتیب دیا جاتا ہے۔

سوانحی یا تاریخی تحقیق

سوانحی تحقیق میں کسی مصنف کی سوانح پر کام کیا جاتا ہے۔ اس کے حالات زندگی اور ان عوامل کا جائزہ لیا جاتا ہے جو اس کی ادبی و تصنیفی زندگی پر اثر انداز ہوئے اور جن کی وجہ سے اُس کی تخلیقات سامنے آئیں۔

سوانحی تحقیق میں کسی مصنف کا خاندانی پس منظر، سیرت و کردار، اقتصادی و معاشرتی حالات، تہذیبی و ثقافتی عوامل، خانگی معاملات، ذاتی اور نجی مسائل، معاشرے میں اس کے مقام، اُس کی شخصیت اور اس کے فن کے ہم عصر دور پر اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

تنقیدی تحقیق

تنقیدی تحقیق میں تحقیقی مواد کو تنقید کی چھلنی سے گزارا جاتا ہے۔ تنقید اور تحقیق میں شروع ہی سے گہرا تعلق ہے۔ تنقید اور تحقیق کو اگر ایک دوسرے سے یکسر الگ کر دیا جائے تو دونوں کے نتائج حوصلہ افزا اور معیاری نہیں ہوں گے۔ کیونکہ کسی بھی تحقیقی مسئلہ میں حاصل شدہ مواد کی صداقت اور استناد کے لیے تنقیدی عمل بے حد ضروری ہے۔

سماجی وتہذیبی تحقیق

سماجی تحقیق میں انسانی رویوں اور عصری تقاضوں کی روشنی میں سماج کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں سماج میں بولے جانے والی مختلف زبانوں کا تحقیقی جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے اور نفسیاتی حوالے سے مختلف انسانی رجحانات اور میلانات پر بھی تحقیق کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح تہذیبی وثقافتی میلانات اور رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے حقائق کی بازیافت کرنا تہذیبی تحقیق میں آتا ہے۔

مطالعہ احوال:(Case Stedy)

مطالعہ احوال یا کیس سٹڈی میں کسی شخصیت یا تحقیقی مسئلے کے حوالے سے مکمل کوائف اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ ان کوائف یا ضروری مواد کے حصول کے بعد حاصل شدہ مواد اور معلومات کا تقابل اور تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تجزیے کے بعد حتمی نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

اس قسم کی تحقیق میں داخلی اور خارجی شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے کسی تحقیقی مسئلے یا شخصیت کا گہرا مطالعہ اور تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہ مطالعہ نفسیاتی بھی ہوسکتا ہے، ذہنی بھی۔ اس میں شخصیت اور سوچ میں رونما ہونے والے تغیرات کو بھی پرکھا جاتا ہے۔

مطالعہ احوال میں کئی ذرائع سے مواد حاصل کیا جاتا ہے۔ جس میں متعلقہ فرد کا انٹرویو بھی ہوسکتا ہے اور اس کے تجربات اور مشاہدات کو بھی کسی حوالے سے زیر بحث لاکر مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے اس کی تخلیقات یا بیاض اور ڈائری وغیرہ بھی اہم ذریعہ ثابت ہوسکتی ہیں جن سے مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایسی تحقیق کا مقصد شخصیت کے چھپے ہوئے پہلوؤں کو سامنے لانا ہے۔

تعلیمی تحقیق

تعلیمی تحقیق کا تعلق براہ راست جامعات، تدریس، طلبہ وطالبات اور اساتذہ کے ساتھ ہے۔ تعلیمی تحقیق۔ تعلیم وتدریس کے میدان میں ایک ایسی سرگرمی کا نام ہے جس کی مدد سے تعلیم کے میدان میں تدریسی اور نصابی حوالے سے پائے جانے والی مشکلات کو سامنے لایا جاتا ہے اور تعلیمی تحقیق کے ذریعے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کسی بھی شعبہ میں ہونے والے سندی تحقیق کا تعلق کسی نہ کسی سطح پر تعلیمی تحقیق سے جڑا ہوا ہوتا ہے، اس لیے تحقیق کے شعبہ میں تعلیمی تحقیق اپنی اہمیت کے لحاظ سے بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتی ہے۔

"تعلیم کے میدان میں موجود مسائل کے حل تلاش کرنے کے لیے کی گئی تگ و دو جو کہ منظم اور سائنسی انداز اختیار کیے ہوئے ہو "تعلیمی تحقیق" کہلاتی ہے۔" (۳)

تعلیمی مسائل کے حل، نصاب سازی، طریق تدریس میں بہتری لانے اور تعلیمی رجحان کی اصلاح کے لیے سائنسی انداز اختیار کر کے تعلیمی تحقیق کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

بین العلومی تحقیق

اس میں کسی ایک مضمون کے ساتھ ساتھ دوسرے مضامین اور علوم پر بھی تحقیق کی جاتی ہے، ایک مضمون کے ساتھ دوسرے مضمون کے حقائق کو شامل کر کے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ مثلاً بشریات، سماجیات، سیاسیات، ادبیات، لسانیات، تاریخ و فلسفہ، جغرافیہ وغیرہ۔

بین العلومی تحقیق کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے۔ اس میں مختلف علوم سے تعلق رکھنے والے موضوعات پر تحقیق کی جاتی ہے، جن کا آپس میں کسی نہ کسی حوالے سے تعلق بھی ہوسکتا ہے۔

تقابلی تحقیق

اس میں کسی موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے دو اشیاء کو سامنے رکھتے ہوئے ان کا تقابل کیا جاتا ہے۔ یہ تقابل دو مخطوطوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ کسی شاعر کے دیوان کے شائع شدہ مختلف ایڈیشنوں کا بھی، یا ہاتھ سے لکھی ہوئی کسی مصنف کی کتابوں کے مختلف نسخوں کے حوالے سے بھی تقابلی تحقیق کی جاسکتی ہے۔

تحقیق سندی بھی ہوسکتی ہے اور غیر سندی بھی، اسی طرح انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ سندی تحقیق کے حوالے سے آج کل یونیورسٹیوں میں زیادہ کام ہو رہا ہے۔

سندی اور غیر سندی تحقیق

سندی تحقیق وہ تحقیق ہے جو کہ یونیورسٹیوں میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کے تحقیقی مقالہ جات کی صورت میں کی جاتی ہے۔اس تحقیق میں آج کل زیادہ تر محققین کا رویہ صرف ڈگری کا حصول ہے۔جس کی وجہ سے تحقیق کا معیار متاثر ہوتا ہے۔

غیر سندی تحقیق میں ہر وہ تحقیق شامل ہے جو سند یا ڈگری کے حصول کے لیے نہ کی جائے بلکہ کسی بھی موضوع پر انفرادی یا اداروں کے زیر اثر تحقیق جو کہ علم وادب اور سائنس وٹیکنالوجی کے فروغ اور ترقی کے لیے کی جائے غیر سندی تحقیق کہلاتی ہے۔

اسی طرح تحقیق کے حوالے سے شائع ہونے والی مختلف کتابیں، رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے تحقیقی مضامین ومقالات کا درجہ بھی غیر سندی تحقیق میں آتا ہے۔

انفرادی واجتماعی تحقیق

کچھ تحقیق ایسی ہوتی ہے جسے مختلف افراد انفرادی طور پر یا اپنے اپنے انداز میں انجام دیتے ہیں۔ جیسے رسائل میں تحقیقی مقالات لکھنا، تحقیقی کتابیں لکھنا، اپنی ذاتی تجربہ گاہوں میں سائنسی تجربات کرنا، مختلف لوگوں کے رویوں اور نفسیاتی کیفیات کا جائزہ لے کر اپنے نتائج بیان کرنا۔یہ سب انفرادی تحقیق کے زمرے میں آتا ہے۔

جو تحقیق ایک سے زیادہ محققین اکٹھے انجام دیتے ہیں یا تحقیقی مقالات کئی محقق مل کر لکھتے ہیں یا مختلف تحقیقی یا سائنسی اداروں کے تحت تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ اجتماعی تحقیق سے تعلق رکھتا ہے۔ملکی اور غیر ملکی سطح پر بنائے گئے تحقیقی ادارے بھی اجتماعی تحقیق میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

ادبی تحقیق کے حوالے سے یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ زیادہ تر تحقیق انفرادی سطح پر انجام دی گئی ہے۔

دستاویزی تحقیق

دستاویزی تحقیق میں مختلف دستاویزات کی مدد سے تحقیق کے عمل کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اس میں تاریخی دستاویزات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اسی لیے اس کو تاریخی تحقیق بھی کہا جاسکتا ہے۔ کوئی بھی فرد اور معاشرہ جس زمانی دور سے گزر رہے ہوتے ہیں اس کا ہر گزرتا ہوا لمحہ تاریخ کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حالات وواقعات فراموش ہوتے جاتے ہیں، حتیٰ کہ کسی معاملے کی چھان بین اور بازیافت کے لیے ان گزرے ہوئے حالات وواقعات کی تحقیق کا عمل وجود میں آتا ہے۔

تاریخی تحقیق کا دامن بہت وسیع ہے اس میں دنیا کے کسی بھی سربستہ راز یا کائنات کے وقت کی گرد میں چھپے ہوئے حقائق کی چھان بین کر کے انھیں سامنے لایا جاتا ہے۔

ادبی تحقیق میں ہمیں زیادہ تر دستاویزی اور تاریخی تحقیق سے واسطہ پڑتا ہے۔ حقائق کی صداقت کو پرکھنے اور حالات واقعات کا جائزہ لینے کے لیے ہم مختلف دستاویزات کے حوالے سے تحقیقی عمل کو آگے بڑھاتے ہیں۔

دستاویزی عمل میں درج ذیل دستاویزات کے حوالے سے تحقیق کے عمل کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

بنیادی مصادر

بنیادی مصادر میں ابتدائی نوعیت کے حقائق اور معلومات ہوتی ہیں جو بآسانی محقق کی تحویل میں آجاتی ہیں یا جن سے محقق کو آگاہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی شخصیت کے حوالے سے تحقیق کی جارہی ہو تو اس کے تمام مطبوعات اور اس کے حالات زندگی، اس کی

ذاتی دستاویزات سب بنیادی مصادر کی ذیل میں آتے ہیں۔ذاتی ریکارڈز،ڈائریاں، خود نوشتیں، مختلف نوعیت کے سرٹیفکیٹ،ایوارڈز، تعریفی اسناد،انٹرویوز،ذاتی کاغذات، اپنی لکھی ہوئی کتابیں، سوانح عمری، آپ بیتی، تقاریر، خطبات، خطوط، مضامین وغیرہ محقق کے لیے اہم مواد فراہم کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ بقول عطش درانی:

> ''وہ تمام اساسی مخطوطے، کتابیں، تصانیف، مسودے، ڈائریاں، خطوط، حوالہ جاتی کتب، لغات، قاموس، تصاویر، ویب سائٹس وغیرہ بنیادی ماخذ کہلاتے ہیں جن پر تحقیقی کام انجام دیا جا رہا ہو یا جو تحقیق کی بنیاد ہوں یا بنیادی معلومات ان سے اخذ کی جاتی ہوں نیز ان سے پہلے وہ معلومات کسی اور جگہ سے حاصل نہ ہو سکیں۔''(۴)

بنیادی مصادر اپنی جگہ بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ بنیادی مصادر کے بغیر تحقیق کا کام آگے نہیں بڑھ سکتا لہٰذا تحقیق کی ابتدا ہی میں بنیادی مصادر کا تعین کرنا انتہائی ضروری ہے۔

ذاتی ریکارڈز

ان میں مصنف کے استعمال میں رہنے والی کتابیں اور مختلف چیزیں شامل ہوتی ہیں، جن سے زیرِ تحقیق معاملہ کی چھان بین میں مدد ملتی ہے۔اس کی درازوں میں مختلف کاغذات، تراشے، مختلف قسم کی اشیاء کی خرید و فروخت سے متعلق رسیدیں اور بل، وصیت نامے، مختلف معاہدوں کی کاپیاں، جائیداد کی منتقلی سے متعلق کاغذات، زیرِ مطالعہ رہنے والی کتابوں پر لکھے گئے فٹ نوٹ اور اشارات، مختلف غیر مطبوعہ مکمل اور ادھورے مضامین، یادداشتیں شامل ہیں۔

ذاتی سرٹیفکیٹ

ذاتی سرٹیفکیٹ میں پیدائشی سرٹیفکیٹ، ڈیتھ سرٹیفکیٹ، پرائمری کا سرٹیفکیٹ، کمیٹی میں نام کے اندراج کا سرٹیفکیٹ، مختلف تعریفی سرٹیفکیٹ، مختلف کانفرنسوں، اجلاسوں، مشاعروں، مقابلہ جات میں شمولیت کے سرٹیفکیٹ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

شناختی کارڈ

شناختی کارڈ کسی شخص کے بارے میں اس کا نام، ولدیت وغیرہ کے حوالے سے بنیادی

اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

پاسپورٹ

پاسپورٹ کی اہمیت اس لیے ہوتی ہے کہ پاسپورٹ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے کہاں کہاں کے سفر کیے اور یہ سفر کس دور میں کیے گئے، سفر کا دورانیہ کتنا رہا۔ اس سے تحقیقات میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

ڈومیسائل

ڈومیسائل دراصل کسی شہر کی شہریت کا ثبوت ہے۔ اس میں تاریخ پیدائش، ولدیت، رہائش کا مستقل، عارضی پتہ، اور عمر کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

انٹرویو

زیرِ تحقیق شخصیت کے ذاتی انٹرویو جو کسی اخبار یا رسالے میں شائع ہوئے یا کسی ریڈیو اسٹیشن یا ٹی وی اسٹیشن سے نشر ہوئے۔

ذاتی کاغذات

ذاتی کاغذات میں وہ تمام دستاویزات آجاتی ہیں جو کہ زیرِ تحقیق مصنف کے استعمال میں رہیں یا جو اس کی فائلوں سے برآمد ہوئیں، اس میں اسناد، سرٹیفکیٹ، اور ڈگریاں بھی شامل ہوں گی۔ نجی خطوط بھی جو کہ اسے دوستوں یا عزیزوں یا ادبی شخصیات نے لکھے۔

ڈائری

بعض لوگوں کو ڈائری لکھنے کی عادت ہوتی ہے، وہ خاص خاص واقعات کو ڈائری میں درج کرتے رہتے ہیں۔ ایسے مصنفین کے حوالے سے تحقیق میں ان ڈائریوں سے کافی مواد مل جاتا ہے۔ ان ڈائریوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے کن کن لوگوں سے روابط تھے، کون سے لوگ تھے جو کہ ان مصنفین کے نزدیک تھے، لوگوں کا، دوستوں کا، عزیزوں کا اُنکے ساتھ کیسا رویہ تھا، کون پس پردہ دشمنی اور مخالفت کرتے تھے اور کون لوگ دوست اور خیر خواہ تھے۔ انھوں نے کتنے، کب اور کہاں کہاں کے سفر کیے۔ ان اسفار میں انھیں کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔

روزنامچے

کئی لوگ روزنامچے کی صورت میں روزانہ ہونے والے واقعات کا اندراج کرتے ہیں۔

ایسے اندراجات اور روزنامچے تحقیقی مواد کے سلسلے میں اہم ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

بیاض

شاعر حضرات اپنے اشعار کو بیاض میں لکھتے رہتے ہیں تا کہ یہ اشعار محفوظ رہیں۔ بہت سے شاعر ایسے ہوتے ہیں جن کی شاعری ان کی زندگی میں نہ تو شائع ہو سکی اور نہ ہی سامنے آسکی، ان کی یہ بیاضیں ہی اُن کے افکار اور فن سے آگاہی کا واحد وسیلہ ہوتی ہیں۔ اس لیے دستاویزات میں مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بیاض کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

قلمی نسخہ

بیاض کی طرح قلمی نسخہ بھی مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوتا ہے جس میں شاعری، نثر، آپ بیتی یا یہ کسی بھی صنف سخن پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

اپنی لکھی ہوئی کتابیں

زیر تحقیق موضوع سے براہ راست متعلق کتابیں یا مصنف کی مطبوعہ کتابیں بنیادی مصادر میں شامل ہوں گی۔

سوانح عمری

سوانح عمریاں ادبی اور شخصی تحقیق میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ان سے بہت سے واقعات کی چھان بین اور حقائق کی صداقت جاننے کا موقع ملتا ہے۔ کیونکہ ان سوانح عمریوں میں واقعات و حالات زندگی کا بیان ایک ترتیب سے کیا جاتا ہے۔

آپ بیتی

سوانح عمری کی طرح خود مصنف کی لکھی ہوئی خونوشت سوانح یا آپ بیتی واقعات کی تہہ تک پہنچنے اور زیر تحقیق موضوع کے متعلق حقائق اکٹھا کرنے میں اہم کردار کی حامل ہوتی ہیں۔

تقاریر، خطبات

مختلف تقاریر سے بھی مواد حاصل کیا جا سکتا ہے، مختلف مواقع پر ہونے والی تقاریر کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے، بعض اوقات ان تقاریر کی ریکارڈنگ کر لی جاتی ہے اور بعض اوقات کتابیں شکل میں بھی شائع کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف مواقع پر دیے گئے خطبات بھی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسے اقبال کے خطبات اور خطبات عبدالحق وغیرہ

مراسلے، خطوط
مشاہیر، ادیبوں کو لکھے گئے خطوط، یا دوستوں اور عزیزوں کو تحریر کیے گئے مراسلوں سے بھی بنیادی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس لیے انھیں بھی شامل تحقیق کیا جانا چاہیے۔

مضامین
موضوع سے متعلق کتابوں سے ہٹ کر بعض مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہوتے ہیں، یا مرتب کی گئی کتب میں بھی مضامین ہو سکتے ہیں۔ ان مضامین کا حصول بھی تحقیقی مدارج کو آسان بنا سکتا ہے۔

موبائل ڈاٹا
آج کل موبائل سیل کا استعمال عام ہے، اور یہ گزشتہ دو دہائیوں سے بتدریج عام ہوتا چلا گیا ہے، اب ہر شخص موبائل فون استعمال کرتا ہے۔ اسے کال کے علاوہ میسیج کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض شعراء کرام اپنا زیادہ تر کلام موبائل کے میسنجر میں لکھتے ہیں اور دوستوں کو بھیجتے ہیں۔ ان کے موبائل کا ریکارڈ اس حوالے سے کافی کارآمد معلومات دے سکتا ہے۔

کمپیوٹر ڈاٹا
بہت سے ادیب اپنا کام براہ راست کمپیوٹر پر لکھتے ہیں۔ ان کے کمپیوٹر سے ان کا لکھا ہوا تمام مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ان کی ذاتی تحریروں کے علاوہ وہ فائلیں اور کتابیں بھی مل سکتی ہیں جن سے انھوں نے اپنے ادبی کام میں مدد لی ہو۔

فیس بک آئی ڈی
اسی طرح موجودہ دور میں فیس بک ادیبوں اور شاعروں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ فیس بک پر موجودہ شاعروں اور ادیبوں میں سے بیشتر کا ذاتی اکاؤنٹ موجود ہے۔ اس اکاؤنٹ سے بنیادی معلومات لی جا سکتی ہیں، اور ان کے فیس بک فرینڈز کا بھی پتہ چل سکتا ہے کہ ان کے کن کن سے لوگوں سے روابط رہے ہیں۔ ان لوگوں سے رابطہ کر کے مفید معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ثانوی مصادر

بنیادی مصادر ثانوی مصادر سے مراد وہ مصادر ہیں جن سے زیر تحقیق مسئلے کے حوالے سے مواد حاصل کیا جاتا ہے۔ جس طرح کسی مصنف کی لکھی ہوئی کتابیں بنیادی مصادر ہوتے ہیں اسی طرح ثانوی مصادر میں وہ تمام کتابیں آجائیں گی جن میں مصنف کے بارے میں کوئی نہ کوئی معلومات یا حقائق پائے جاتے ہوں یا تحقیق میں بالواسطہ کوئی مدد ملتی ہو۔ ایسی تمام کتابیں، رسائل وجرائد اور اخبارات اور دیگر دستاویزات ثانوی مصادر کا درجہ رکھتی ہیں۔

سکول، کالج، یونیورسٹی کا ریکارڈ

سکول، کالج، یونیورسٹی کے ریکارڈ سے بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں۔ یہ حقائق دوران تعلیم کے بھی ہوسکتے ہیں اور اگر کسی مصنف کی ملازمت سکول، کالج اور یونیورسٹی میں رہی ہو تو یہ ملازمت کے ریکارڈ کے بارے میں بھی مفید معلومات دے سکتے ہیں۔

یونین کونسل کا ریکارڈ

یونین کونسل کا ریکارڈ، برتھ، ڈیتھ سرٹیفکیٹ، ب فارم، اِن اندراجات کا شناختی کارڈ کے اندراجات کا تقابل، تحقیق کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔

یاداشتیں

مختلف مشاہیر اپنی یاداشتیں لکھتے ہیں، ان یاداشتوں میں مختلف لوگوں کا ذکر ملتا ہے، دوسروں کی یاداشتوں سے بھی بعض اوقات اپنے تحقیقی موضوع کے حوالے سے حقائق اکٹھے کیے جاسکتے ہیں۔

آپ بیتیاں

مختلف ہم عصر مشاہیر کی آپ بیتیوں سے حالات وواقعات اور مختلف باتوں کا پس منظر اور حقائق کی پردہ کشی ہوسکتی ہے۔ ادیب اپنے ہم عصر ادیبوں کے بارے میں اپنی آپ بیتیوں میں کئی ایسے واقعات درج کردیتے ہیں جو نہ صرف دلچسپ بلکہ معلومات افزا بھی ہوتے ہیں، جیسے اختر حسین رائے پوری کی آپ بیتی ''گردِ راہ'' اور حمیدہ اختر کی آپ بیتی ''ہم سفر'' میں ہمیں مولوی عبدالحق کے بارے میں کئی نئی معلومات ملتی ہیں۔

سوانح عمریاں

سوانح عمریوں سے بھی مصنفین کے حالات زندگی اور ان کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ سوانح عمریاں ایسے اشخاص کی لکھی ہوتی ہیں جو کہ ان لوگوں کو بہت قریب سے جانتے ہیں جن کی سوانح عمری لکھ رہے ہوں۔

تبصرے

مختلف کتابوں اور رسائل وجرائد میں کتب، کلام یا تحریر کے حوالے سے تبصرے بھی حقائق جاننے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔

دیباچے

کتابوں پر لکھے گئے دیباچے بھی شخصیت وفن پر روشنی ڈالتے ہیں اور بعض کتابوں کے دیباچوں میں تنقید کے ساتھ ساتھ تحقیقی عناصر بھی ملتے ہیں خاص کر کتابوں میں لکھے گئے مقدمات اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ مولوی عبدالحق کے مقدمات معلومات کے ساتھ ساتھ تحقیقی انداز لیے ہوئے ہیں۔

تقریظ

کتابوں پر لکھی گئی تقریظ بھی کسی کے فن کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اس کے فنی خصائص کو سامنے لاتی ہے۔

خطوط

مخالفوں، دوستوں، ادیبوں اور رشتے داروں کو لکھے گئے خطوط تحقیق میں اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے جو خطوط لندن جا کر اپنے والد محترم کو لکھے ان سے حافظ محمود شیرانی کے لندن میں شب وروز اور ان کے مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں۔

مخطوطے، خطی مواد

مخطوطے، خطوطی کے نمونے اور قلمی نسخے بھی اہم دستاویزات میں شمار کیے جاتے ہیں جن سے تحقیقی مواد ملتا ہے۔

ذاتی استعمال میں زیر مطالعہ کتب اور ان پر فٹ نوٹ

مختلف ادیب اور مصنفین کتابوں کا مطالعہ کرتے وقت یادداشت کے طور پر ان کے مختلف

صفحات اور اقتباسات پر نشانات لگاتے ہیں اور بعض ان پر کوئی نہ کوئی لفظ یا عبارت بھی لکھتے چلے جاتے ہیں جو کہ تحقیق کرنے والے کے لیے کم اہم نہیں ہوتی۔

ڈائری

ڈائری میں مصنفین نہ صرف اپنے اور اپنے حالات وواقعات، شب وروز کے معمولات کے بارے میں بلکہ دیگر مصنفین کے بارے میں یاداشتیں قلم بند کرتے رہتے ہیں جن سے کئی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مطبوعہ کتب

مصنف کی اپنی مطبوعہ کتب کے علاوہ دیگر مصنفین کی مختلف مطبوعہ کتب سے بھی زیرِ تحقیق مسئلہ سے متعلق مواد حاصل کیا جاتا ہے۔یہ کتابیں مختلف نوعیت اور اصناف پر مشتمل ہوسکتی ہیں۔

نصابی کتب

نصابی کتب سے بھی تحقیقی مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مضامین ومقالات / غیر مطبوعہ مقالات

مختلف رسائل وجرائد، کتابوں اور اخبارات مین شائع ہونے والے مضامین ومقالات بھی تحقیق کا اہم ماخذ ہوتے ہیں۔

غیر مطبوعہ مقالات

مطبوعہ مقالات کے علاوہ وہ مقالات جو کہ شائع نہیں ہوئے بلکہ وہ ایم ،اے، ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سند کے لیے لکھے گئے اور کسی یونیورسٹی کی ملکیت ہیں، وہ بھی تحقیقی کام میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔اس کے علاوہ وہ مضامین ومقالات جو کہ انفرادی طور پر لکھے گئے مگر شائع نہ ہوئے، وہ بھی تحقیق میں مدد دے سکتے ہیں۔

تذکرے

تذکرے ادب اور ادیبوں کے بارے میں اور اس دور کی ادبی رفتار کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔

تاریخیں

تاریخیں اور خاص کر ادبی تاریخیں جہاں ادوار کے حوالے سے یا اصناف کے
میں ایسی تحریریں فراہم کرتی ہیں کہ جن سے اس دور کے ادب کے مزاج کا تعین ہوتا ہے وہاں
ان سے کئی ادبی حقائق بھی سامنے آتے ہیں۔

رسائل وجرائد

رسائل وجرائد کا ادب وزبان کے فروغ سے اہم تعلق رہا ہے۔ اسی طرح تحقیق میں بھی
رسائل وجرائد کا اہم ماخذات میں شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تحقیق کے لیے ان سے اچھا خاصا
مواد مل جاتا ہے۔ بہت سا کلام جو کہ شعراء کے مجموعہ ہائے کلام میں نہیں ملتا وہ ان رسائل
وجرائد میں مل جاتا ہے۔

اخبارات

کتب، رسائل وجرائد کے ساتھ ساتھ اخبارات اور ان کے مختلف ایڈیشنوں، کالموں،
فیچروں اور اداریوں میں بھی تحقیق کے لیے مواد مل جاتا ہے۔ اخبارات اور ان کے مختلف
ایڈیشنوں میں مشاہیر کے انٹرویو، خطوط، مضامین اور کلام شائع ہو چکا ہوتا ہے، یا ان کی وفات
پر ان کے حوالے سے گوشے ترتیب دیے جاتے ہیں یا ان کی شخصیت اور فن پر کالم لکھے جاتے
ہیں۔

سرٹیفکیٹ، ڈگریاں

سکول، کالج سرٹیفکیٹ، رزلٹ کارڈز، یونیورسٹی ڈگریاں بھی تحقیقی مراحل میں کارآمد
ثابت ہوتی ہیں۔

معاہدے

مختلف قسم کے معاہدے، جائیداد کا لین دین سے متعلق دستاویزات، اجلاس کی
روودادیں۔ ذاتی یا موروثی دستاویزات، ٹیکس اور بنک وغیرہ کا ریکارڈ۔

سرکاری ریکارڈز

جرنل، گزٹ، قانونی دستاویزات وغیرہ۔

مطبوعہ زبانی روایات

لوک کہانیاں، لوک کردار، لوک میوزک، روایات جو سینہ در سینہ چلی آ رہی ہوں۔

تصویروں کا ریکارڈ
تاریخی اور یادگاریں تصویریں۔ کسی زیر تحقیق مصنف کی بچپن سے لے کر مختلف ادوار کی تصویریں، مختلف مشاہیر یا ادبی شخصیات کے ساتھ تصویریں۔

آثار، نوادرات
نوادرات، قدیم اشیاء، پرانی تہذیب سے تعلق رکھنے والی چیزیں جیسا کہ ٹیکسلا اور گندھارا تہذیب یا موہنجوڈرو اور ہڑپہ سے ملنے والے آثار۔

فہرست
مختلف فہرستیں، کتابوں کی، رسائل وجرائد کی، یا اشیاء کی جو کہ مہارت سے کسی خاص مقصد کے لیے ترتیب دی گئی ہوں۔

جائیداد کے کاغذات
ایسے کاغذات جن سے جائیداد کی منتقلی ثابت ہوتی ہو، یا جو جائیداد کی ملکیت کے حوالے سے حقائق کو پیش کرتے ہوں۔ یا عدالت کے مقدمہ کی فائلیں جو کہ کسی ادیب کے مسائل اور اس کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کر سکتی ہوں۔

سالانہ رپورٹیں
مختلف اداروں، کتب خانوں، رسالوں، اخباروں تنظیموں اور مختلف اجلاسوں کی سالانہ رپورٹیں۔

رسائل یا کتب میں شائع ہونے والی رپورٹیں، روداد یں
کسی مشاعرے، ادبی تقریب، کانفرنس، یا سمپوزیم کی روداد جس سے ان تقریبات میں شرکت کرنے والوں اور ان کے پڑھے گئے مضامین ومقالات کا سراغ ملتا ہو۔ ۲۰۱۵ء میں شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور میں منعقدہ کانفرنس اور استنبول یونیورسٹی میں ہونے والے سوسالہ سمپوزیم کی رپورٹیں اور روداد یں پاکستان اور برطانیہ کے مختلف رسائل میں شائع ہوئیں۔ یہ آنے والے وقتوں میں اپنے موضوع کے حوالے سے ایک بڑا دستاویزی ذخیرہ ہوگا۔

یادگار
کسی شخصیت، یا کسی موقع یا کسی واقعے کو بنیاد بنا کر لکھی گئی بات، تعمیر کی گئی چیز، یا

کسی شخصیت کے نام پر بنا دینا، کسی لائبریری یا ہاسٹل کا نام
معنون کی گئی چیز۔ جیسے کوئی عمارت کسی شخصیت یا واقعے کی یادگار کے طور
کسی شخصیت سے منسوب کر دینا۔ کوئی سکہ، ٹکٹ یا نوٹ کسی واقعے یا شخصیت کی یادگار کے طور
پر جاری کر دینا۔ جیسے ترکی میں ''استنبول یونیورسٹی' میں اردو کی تدریس کے سو سال مکمل ہونے
پر پاکستان کی جانب سے ۲۰۱۵ء میں استنبول یونیورسٹی کی تصویر کا یادگاری ٹکٹ کا اجراء۔

اسناد، گولڈ میڈل

کسی واقعے یا کامیابی کی بنا پر تعریفی یا تحسینی اسناد یا سرٹیفکیٹ جاری کرنا یا خدمات کے صلے میں اعتراف فن کے طور پر دیے گئے گولڈ میڈل۔

رجسٹر

مختلف اداروں، کتب خانوں میں موجود رجسٹر جن میں چیدہ چیدہ معلومات کا اندراج کیا جاتا ہے۔

عینی شہادتیں

کسی واقعے کی عینی شہادت بھی دستاویزات کے زمرے میں آتی ہے۔ مگر اس میں شہادت دینے والے کے بیانیہ کو غور سے دیکھنا ہوگا اور اس کی صداقت کو پرکھنا ہوگا۔ کچھ لوگ ان شہادتوں کو اپنی آپ بیتیوں میں رقم کر دیتے ہیں، اس سلسلے میں دوسری آپ بیتیوں کو بنیاد بنا کر ان بیانات کی سچائی جاننے کے لیے جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔ زبانی روایتوں، روزنامچوں اور بیاضوں کے حوالے سے رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''روزنامچوں اور بیاضوں کے اندراجات ہو یا زبانی روایتیں یا اس قسم کے دوسرے ذرائع؛ ان کا مطالعہ تو ضرور کرنا چاہیے مگر بہ طورِ حوالہ اُن کو قبول کرنے میں احتیاط اور بہت زیادہ احتیاط کرنا چاہیے، کیونکہ غیر معتبر روایتوں کی کمی نہیں۔''(۵)

ان حوالوں کا مستند ہونا بہت ضروری ہے۔ بغیر سند کے حوالے کی تحقیق میں کوئی اہمیت نہیں۔

فلمیں، موسیقی، مصوری

مختلف فلمیں اور موسیقی بھی ماخذات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے فکری اور نظریاتی

مواد مل جاتا ہے۔اس کے علاوہ مصوری بھی اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔

مائیکرو فلمیں

بعض اوقات مختلف مائیکرو فلموں سے مواد حاصل کیا جاسکتا ہے جنھیں یو ایس بی، یا کمپیوٹر کارڈ میں محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

سمعی مواد، آڈیو کیسٹ، سی ڈی

اپنے تحقیقی موضوع کی مناسبت سے سمعی مواد میں ریڈیو یا ٹی وی کے پروگراموں کی آواز کو ریکارڈ کر کے دستاویز کی شکل میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

بصری مواد، ویڈیو کیسٹ یا سی ڈی

کسی پروگرام، مباحثے، فلم، ڈرامہ یا مشاعرہ کی ویڈیو جو کہ کسی ٹی وی چینل پر چلا ہو، اس کی ویڈیو بنا کر کیسٹ یا سی ڈی کی شکل میں دستاویزات میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

وکی پیڈیا

وکی پیڈیا معلومات کے حوالے سے ایک ایسا کمپیوٹر پر اشیاء، شخصیات وغیرہ کے بارے میں حقائق تلاش کرنے کا وسیلہ ہے جس سے بے شمار معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا

مختلف حوالوں سے بنائے گئے یا ترتیب دیے گئے انسائیکلو پیڈیا۔ مثلاً شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، تاریخی انسائیکلو پیڈیا، اسلامی انسائیکلو پیڈیا وغیرہ۔

متفرقات

بعض عمارتیں، فرنیچر، کھنڈرات، باغات، اور مشاہیر کی رہائش گاہیں بھی اس حوالے سے اہمیت کی حامل ہوتی ہیں کہ ان سے تاریخ کے کئی ابواب کھل کر سامنے آتے ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری دستاویزی تحقیق کی درج ذیل اقسام گنواتے ہیں:

ا۔سوانح حیات، ۲۔اداروں اور تنظیموں کی تاریخ، ۳۔ کتابیات، ۴۔ نظریات کی تاریخ، ۵۔ تدوین متن۔''(۶)

سید جمیل احمد رضوی نے ٹائرس ہل وے (Tyrus Hilway) کا ذکر کیا ہے جس نے دستاویزی تحقیق کو چھ اقسام میں تقسیم کیا ہے اور مندرجہ بالا اقسام لگتا ہے وہیں سے لی گئی

ہیں۔ ٹارس ہل دے کی بتائی ہوئی اقسام درج ذیل ہیں:

۱۔ سوانح حیات
۲۔ اداروں اور تنظیموں کی تاریخ
۳۔ ذرائع اور اثرات
۴۔ ترتیب وتدوین متن
۵۔ نظریات کی تاریخ
۶۔ کتابیات (۷)

ان درج بالا دستاویزی تحقیق کی قسموں کی اپنی اپنی جگہ مسلمہ حیثیت ہے۔ مگر اس سے زیادہ اہم اور بنیادی بات ان دستاویزات کا حصول ہے: بقول جمیل احمد رضوی:

"محقق کو دستاویزی مواد کی تلاش میں بسا اوقات صبر آزما اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان ذرائع سے معلومات کی جمع آوری میں کامیابی کا انحصار اس کے تخیل، عزم صمیم، اور مستقل مزاجی پر ہوتا ہے" (۸)

بات صرف تلاش اور جستجو کی ہے بعض اوقات ردی اور بیکار چیزوں میں سے بھی محققین کو اپنا مطلوبہ مواد مل جاتا ہے۔

ادبی تحقیق کا دارومدار زیادہ تر دستاویزات ہی پر ہوتا ہے۔ چاہے وہ کتابیں ہوں یا مخطوطے، رسائل وجرائد یا نقشہ جات، حالات وواقعات، سوانحی وتخلیقی احوال ہوں۔ یہ سب دستاویزات تحقیقی حوالے سے اہم مواد فراہم کرتی ہیں۔

لسانی تحقیق

لسانیات کا تعلق زبان کے مسائل سے ہے۔زبان ادائے مطلب اور ترسیل وابلاغ کا موثر وسیلہ ہے۔انسانی شخصیت کی تعمیر اور تہذیب کے ارتقا میں زبان بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔زبان دنیا کے ہر خطے اور کونے میں پائی جاتی ہے۔ہر زمانے میں کچھ صاحب علم اور صاحب فہم لوگ زبان کی تراش خراش اور اس کے ارتقا کے لیے سوچ بچار میں مصروف رہے ہیں۔زبان اور بنی نوع انسان کی تاریخ ساتھ ساتھ چلتی ہے۔مختلف ادوار میں اظہارِ بیان کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔

اردو میں سب سے پہلے جن دانشوروں نے لسانیات کے حوالے سے کام کیا ہے وہ ڈچ، پرتگالی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور انگریز تھے ان ماہرین لسانیات نے اردو کی قواعد کی کتب مرتب کرنے میں غیر معمولی دلچسپی سے کام لیا اور زبان و بیان کے اصول وضع کیے۔

بقول ڈاکٹر عطش درانی:

> ''جدید لسانیات کے اصولوں کے تحت خان آرزو ہمارے پہلے عالم تھے، جنھوں نے فارسی اور سنسکرت کے قریبی تعلق کی طرف، سرولیم جونز سے بھی پہلے اشارہ کیا تھا، لیکن وہ اس پر مفصل روشنی ڈالنے کی استعداد نہ رکھتے تھے۔ انشاء اللہ خان انشاء نے اردو قواعد کے بعض اہم مسائل کو اہمیت دی اور اپنے عہد کے شہر دہلی کی بولیوں کے اختلافات کو اجاگر کرنے کوشش بھی کی، لیکن افسوس یہ روایت ہمارے ہاں جاری نہ رہ سکی۔''(۹)

مستشرقین کے ساتھ ساتھ مقامی علماء اور ماہرین فن نے بھی اردو میں لسانی تحقیق کے

باب میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس ضمن میں سرسید احمد خان کا رسالہ قواعد اردو "صرف ونحو زبان اردو" بہت مشہور ہے۔ اس رسالے میں گرائمر کے مختلف ابتدائی قاعدے درج ہیں۔ یہ ۱۸۴۰ء کے آس پاس کی تصنیف ہے کیونکہ اس کتاب پر یہی سنہ درج ہے۔ اس رسالے کے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"اگرچہ یہ کتاب کچھ ایسی قابلِ لحاظ نہیں لیکن اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مرحوم کو اردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی۔" (۱۰)

اردو میں لسانی تحقیق کا کام زیادہ تر قواعد نویسی، لغت سازی، اصلاح زبان اور زبان کے معیار اور بول چال کے اصولوں پر مبنی ہے۔ یورپی مفکروں نے اپنی اپنی ضروریات کے مطابق اردو میں میں لسانی کام کیا اور ان کا انداز بالکل روایتی سا تھا اور انھوں نے اس کام کے لیے یورپی اور انگریزی زبانوں سے بھی استفادہ کیا اور اپنے خیالات کے اظہار کے لیے فارسی زبان کو بھی استعمال کیا۔ ان ماہرین لسانیات کے کام کی وجہ سے آنے والے محققین کی راہیں ہموار ہو گئیں اور انھیں تحقیق کے خارزار میں سے گزرنے کے لیے کم دشوار گزار تحقیق کی وادی سے گزرنا پڑا۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

"یہ امر واقعہ ہے کہ اردو کی اولین قواعد یورپی عالموں ہی کی دین ہے انیسویں صدی کے وسط میں سرسید احمد خان، مولوی احمد علی دہلوی، صہبائی اور مولوی کریم الدین کی اردو قواعد سے دلچسپی کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے۔" (۱۱)

یورپی عالموں نے اردو قواعد نویسی کے ساتھ ساتھ اردو لغات کی ترتیب وتدوین میں بھی کام کیا۔

اردو میں لسانی تحقیق کو اکثر اوقات محمد حسین آزاد کی کتاب "آب حیات" سے شمار کیا جاتا ہے اس کتاب میں سب سے پہلے محمد حسین نے اردو زبان کا رشتہ برج بھاشا سے جوڑا۔ یہ کتاب ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی۔ جب کہ اس سے پہلے پیارے لال آشوب کا سات صفحات پر مشتمل پہلا مضمون "اردو زبان کی حقیقت" ۱۸۷۳ء میں شائع ہونے والی اردو کی تیسری کتاب میں شائع ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں جب آزاد نے "آب حیات" شائع

کی تو ان کے پیش نظر آشوب کی یہ کتاب ہوگی۔ (۱۲)

اردو میں لسانی مباحث پر ایک اور کتاب چرنجی لال درگاہ نظام الدین اولیا نے ۵، اپریل ۱۸۸۳ء کو لکھی، یہ کتاب نوے صفحات پر مشتمل ہے مگر ناقص الاول ہے۔ اس کے عنوانات میں زبان کی ترقی کے اسباب اور اس کے بڑے اجزاء، زبانوں کی تقسیم، ہندوستانی زبانوں کا پھیلاؤ، ایرین اور ان کی زبان کا بیان، سنسکرت اور اس کی شاخوں کا بیان، پراکرت کی ترقی کا بیان، پراکرتوں کا تنزل، بھاکا یا ہندی کا جنم، سنسکرت الاصل زبانوں کا بیان، برج بھاکا سے اردو کا جنم، ہندی زبانوں کا اثر اردو کا تصرف، غیر ملک میں غیر زبان کے داخل ہونے کے فائدے اور نقصان، اپنی زبان کو سب اچھا جانتے ہیں، زبان کا تغیر وتبدل، اردو زبان کن زبانوں کے الفاظ سے مرکب ہے۔ عنوانات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چرنجی لال کا دائرہ مباحث مولانا آزاد سے زیادہ وسیع ہے۔ چرنجی لال کے خیال میں سنسکرت سے پراکرت پیدا ہوئی، پراکرت سے بھاکا اور بھاکا ہندی سے عربی فارسی کے میل سے اردو پیدا ہوئی اور یہ تمام ایک زبان سے دوسری زبان کا پیدا ہونا دو ہزار برس کے عرصہ میں ہوا۔ (۱۳)

اردو میں لسانی مطالعہ وتحقیق کا جدید دور بیسویں صدی سے تعلق رکھتا ہے اس دور میں زبان کا مطالعہ مشاہداتی، تجزیاتی اور تجرباتی بنیادوں پر کیا گیا۔ جبکہ انیسویں صدی کی لسانی تحقیق میں یہ خصوصیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ زبانوں کا مطالعہ پہلے روایتی اور فرسودہ انداز میں کیا جاتا تھا اور محققین کی نظریں صرف مختلف علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں اور لسانی تبدیلیوں پر رہتی تھیں، تحریری زبان کو ہی مستند سمجھا جاتا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں مولوی عبدالحق نے قواعد کے حوالے سے بہت نمایاں کام کیا ان کی ''قواعد اردو'' کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں اردو کے صرف ونحو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اجزائے کلام کی تمام قسموں کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا ہے اس میں قواعد اردو کے عربی فارسی عناصر کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> ''جہاں اردو ے ہندی عناصر کا بیان آیا ہے وہاں ان کے تاریخی ارتقا پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور قدیم ہندی، پراکرت اور سنسکرت میں ان کے ماخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔'' (۱۴)

مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' کے بعد بھی اردو قواعد اور اردو صرف ونحو کے حوالے سے کچھ لوگوں نے کام کیا اور اس بارے میں کئی تحریریں اور رسائل بھی سامنے آئے لیکن انھیں مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' کی سی مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔

اردو میں لسانی تحقیق کے حوالے سے مسعود حسین خان (مقدمۂ تاریخ اردو)، حافظ محمود شیرانی (پنجاب میں اُردو)، ڈاکٹر شوکت سبز واری (اردو زبان کا ارتقا)، شرف الدین اصلاحی، سید سلیمان ندوی، نصیر الدین ہاشمی، محی الدین قادری زور (ہندوستانی لسانیات)، پیر حسام الدین راشدی (مقالہ: اردو زبان کا اصلی مولد سندھ)، احتشام حسین، عبدالقادر سروری، سہیل بخاری (اردو کی کہانی)، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، عین الحق فرید کوٹی (اردو زبان کی قدیم تاریخ)، خلیل صدیقی، اقتدار حسین خان، ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان، ڈاکٹر سہیل بخاری، شان الحق حقی، شبیر علی کاظمی، ڈاکٹر گیان چند، میمن عبدالمجید سندھی، سید محمد شمس القادری، ہاشمی فرید آبادی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، عباد اللہ کیانی (گروگرنتھ اور اُردو)، سید شبیر علی کاظمی (پراچین اُردو)، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (چند قدیم لغات)، وغیرہ نے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

دکنیات کے حوالے سے لسانی تحقیق کرنے والوں میں مولوی عبدالحق، سخاوت مرزا، سلطانہ بخش، ڈاکٹر جمیل جالبی، شیخ چاند، افسر صدیقی امروہوی، شفقت رضوی، ڈاکٹر مسعود حسین خان، داؤد اشرف، ڈاکٹر محمد علی اثر، ڈاکٹر نورالسعید اختر، شمس اللہ قادری، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر عبدالستار دلوی، رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر رضیہ سلطانہ کے نام سرفہرست ہیں۔

لسانیات کا تعلق لسانی تبدیلیوں کی بحث سے ہے اور یہ بتاتی ہے کہ جدید لسانیات کا ارتقا کس طرح عمل میں آیا اور کوئی لسانی عنصر کس طرح مختلف زبانوں میں تبدیلی کے عمل سے گزرنے کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ان باتوں کی نشاندہی لسانیات کا موضوع ہوتا ہے اور ایک لسانی محقق کو زبان میں ہونے والی ہر تبدیلی پر نظر رکھنی پڑتی ہے اس کے علاوہ اس زبان پر دوسری زبانوں کے اثرات کا بھی کماحقہ جائزہ لینا پڑتا ہے۔ لسانیات پر بحث کرتے ہوئے صوتیات، تجزصوتیات، تشکیلات، نحویات، معنیات اور تکلمی آوازوں کا بھی بغور مطالعہ ومشاہدہ

کیا جاتا ہے۔
لسانی تحقیق میں محقق نہ صرف زبان بلکہ وہ مقام یا ملک جس جگہ وہ زبان بولی جاتی ہو اور وہاں کی خصوصیات، آب وہوا کا اثر، موسموں کی تفصیل کا بھی گہرا مشاہدہ کرتا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں کسی علاقے کے زبان وادب پر بہت اثر انداز ہوتی ہیں۔

تحقیق میں ہر واقعہ کی اپنی جگہ اہمیت ہوتی ہے اور اس کے متعلق ضروری معلومات کے لیے کئی سوال سامنے آتے ہیں کہ یہ معلومات کیوں، کہاں، کس طرح حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اور ان معلومات سے زبان کے تحقیقی ماڈل میں کس قدر کام لیا جاسکتا ہے۔ ترتیب واقعات کا بھی خاص خیال رکھنا ہوگا۔

لسانی تحقیق میں محقق کو ایسے اطلاع کار کی ضرورت ہوتی ہے جو اس مخصوص علاقے کا باشندہ ہو اور مفید معلومات فراہم کرسکتا ہو کیونکہ محقق لسانی حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہی ایک اچھا لسانی مواد حاصل کرسکتا ہے۔ کسی حلقے سے متعلق مخصوص مخطوطوں پر تحقیق کرنے کے لیے محقق کو اس علاقے کے رسم الخط سے بھی آگاہی ہونی چاہیے۔ اس بارے میں وہاں کے مقامی لوگوں کے علم اور یاداشت سے بھی کافی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں کیونکہ بہت سی باتیں سینہ در سینہ چلی آرہی ہوتی ہیں۔ لسانی تحقیق کے حوالے سے محقق کو صرف ایک اطلاع کار کی بجائے کئی اطلاع کاروں کی ضرورت ہوتی ہے جو مختلف عمروں اور مختلف پیشوں کے حامل ہوں۔ اس سے اسے اپنے مواد کی چھانٹی اور درست نتائج تک پہنچنے میں زیادہ آسانی ہوسکتی ہے۔

لسانی تحقیق ذخیرہ الفاظ، مختلف فقروں اور مختلف قسم کے جملوں پر مشتمل ہوتی ہے مختلف لوگوں کی آراء کو جمع کرکے اس کا موازنہ اور ان سے نتائج اخذ کرنا لسانی تحقیق میں بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے اور اس کے لیے سوالنامے اور انٹریو کو بھی ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

لسانی تحقیق میں محقق کو اپنے تحقیقی کام کو اس علاقے تک محدود رکھنا پڑتا ہے جس میں زبان کی ساخت اور اس کے اجزائے کلام پر تحقیق کی جانی مقصود ہو۔ اس کے علاوہ جب زبان پر تحقیق کی جاتی ہے تو اس میں تذکیروتانیث، لفظوں کی بناوٹ اور جملوں کی ترکیب وترتیب کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بحوالہ، ڈاکٹر محمد اکمل، آزادی سے قبل اردو تحقیق، نئی دہلی، ایم آر پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء، ص۴۴

۲۔ ایضاً، ص۲۳

۳۔ میاں محمد اسلم، قاسم رضا، تعلیمی تحقیق، ملتان، ٹیچرز سٹوڈنٹس ویلفیئر فورم، طبع دوم، ۲۰۰۶ء، ص۱۳

۴۔ عطش درانی، جدید رسمیات تحقیق، ص۲۲۸

۵۔ رشید حسن خاں، ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۸۹ء، ص۲۸

۶۔ ادبی تحقیق کے اصول، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص۸۵

۷۔ جمیل احمد رضوی/ سید، دستاویزی طریق تحقیق، مشمولہ مجلہ تحقیق، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد نمبر۵، شمارہ نمبر۱، ۱۹۸۳ء، ص۲۸

۸۔ ایضاً، ص۱۵

۹۔ عطش درانی، پاکستان میں لسانی تحقیق ۔ روایت اور مباحث، مشمولہ اردو تحقیق ۔ صورت حال اور تقاضے، از ڈاکٹر معین الدین عقیل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص۱۹۷

۱۰۔ مولوی عبدالحق، مقدمہ قواعد اردو، ص۲۶

۱۱۔ مرزا خلیل احمد بیگ، لسانی تحقیق، مجلہ نقوش، سال نامہ، شمارہ ۱۳۰ء

۱۲۔ حسن اختر ملک ڈاکٹر، تہذیب و تحقیق، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۹ء، ص۱۷۱

۱۳۔ ایضاً، ص۱۷۳

۱۴۔ مرزا خلیل احمد بیگ، لسانی تحقیق، مجلہ نقوش، سال نامہ، شمارہ ۱۳۰

تحقیق کی خصوصیات

تحقیقی سرگرمی ایک ذہنی فعالیت کا نام ہے جس میں محقق مختلف آلات کی مدد سے اپنے تحقیقی کام کو مکمل کرتا ہے۔ یہ تحقیقی کام ایک مخصوص دائرہ کار میں رہ کر کیا جاتا ہے اور اس کے اپنے تقاضے ہیں جنھیں محقق کو بہر صورت ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ تحقیق کی ضرورت واہمیت اور اس کے مفید نتائج کی وجہ سے اس کی بے شمار خصوصیات گنوائی جاسکتی ہیں۔

ان خصوصیات میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ تحقیق ہر شعبہ میں ترقی کے امکانات کو روشن کرتی ہے۔

۲۔ اس کے نتیجے میں نئی معلومات ملتی ہیں۔

۳۔ ماضی کے اہم واقعات سے پردہ اٹھاتی ہے۔

۴۔ یہ جستجو اور دماغی قوت کو بڑھاتی ہے۔

۵۔ یہ مفروضوں کو حقائق تک لے جاتی ہے۔ اور بعض اوقات ان باتوں اور نظریات کی تردید کرتی ہے جو کہ ذہنوں اور سماج میں غلط طور پر راسخ ہو چکے ہوتے ہیں۔ جس سے کئی مغالطے دور ہو جاتے ہیں۔

۶۔ تحقیق کائنات میں ہونے والے ہر واقعے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ یہ اس بات سے بحث کرتی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی تبدیلی متوقع ہو سکتی ہے۔ متغیرات کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ انسانی معاشرے کے ارتقا میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

۷۔ یہ مختلف اصول اور قوانین بناتی ہے اور پھر ان اصول وقوانین سے مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۸۔ یہ ماضی کے مطالعہ کو مستقبل کے لیے اہم سمجھتی ہے۔
۹۔ یہ فرضی، جعلی اور مبالغہ آمیز باتوں سے بچاتی ہے۔
۱۰۔ تحقیق ایک فن ہے جو کہ ایک ضابطے کے تحت کام کرتی ہے۔اور دوسروں کو بھی مختلف ضابطوں کی پابندی کا مشورہ دیتی ہے۔
۱۱۔ یہ کسی نہ کسی مسئلے کے گرد گھومتی ہے۔
۱۲۔ یہ مختلف مسائل کو تحقیقی عمل سے کئی زاویوں اور پہلوؤں سے دیکھتی ہے۔قیاس آرائی سے بھی کام لیتی ہے مگر مبالغہ اس میں نہیں ہوتا۔
۱۳۔ یہ کسی نہ کسی تحقیقی وتنقیدی ی پیمانے کو بروئے کار لاکر، مخصوص طریق کار کی مدد سے آگے بڑھتی ہے۔
۱۴۔ یہ مفروضے قائم کرکے ان سے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔اور پھر ان مفروضوں کے حوالے سے حقائق کی چھان بین کرکے دلائل اور خارجی وداخلی شواہد کی مدد سے اپنے نتائج پیش کرتی ہے۔
۱۵۔ انسانی زندگی اور دنیا میں ہونے والی تمام ترقیوں میں کسی نہ کسی حوالے سے تحقیق کا ہاتھ ضرور ہے۔
۱۶۔ اس کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔

محقق کے اوصاف

تحقیق مسلسل تلاش، کھوج اور دریافتوں اور حقائق کی بازیافت کا نام ہے جو کہ ایک منظم نظام کے تحت اپنی سرگرمی کو عمل میں لاتی ہے۔ ایک محقق میں درج ذیل حوالوں سے اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

ا۔ کرداری اوصاف

☆ اچھے اخلاق و کردار کا مالک ہو۔ جو محقق سیرت و کردار کے حوالے سے سچا اور کھرا ہوگا اس کے تحقیقی نتائج اتنے ہی درست ہوں گے۔

☆ سچ بولنے کی ہمت رکھتا ہو، حق گوئی محقق کے لیے نہایت ضروری ہے محقق سچ اور صداقت کو سامنے لاتی ہے، اگر محقق حقائق کو چھپانے کی کوشش کرے گا تو تحقیقی بددیانتی ہوگی۔ عبارت آرائی، مبالغہ آرائی اور تخیل آفرینی سے اجتناب کرنے والا ہو۔

☆ دوسروں سے بہتر تعلقات استوار کرنے والا ہو۔

☆ گفتگو میں عامیانہ پن نہ ہو۔

☆ ہر کسی کی کہی ہوئی بات کو سچ ماننے والا نہ ہو۔

☆ کسی آدمی یا بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنے والا نہ ہو۔

☆ دوسروں کے دباؤ میں آنے والا نہ ہو۔

☆ مفاد پرست نہ ہو۔ کیونکہ مفاد پرست شخص ذرا سے مفاد کی خاطر تحقیقی صداقت کو تبدیل کرسکتا ہے۔

☆ مصلحت پسندی سے کام نہ لیتا ہو

☆ مبالغہ آرائی سے بچنے والا ہو۔

☆ بلا وجہ اپنی غلط بات پر ڈٹ جانے والا نہ ہو

☆ اپنی غلطی کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا ہو۔ہٹ دھرمی اور خود ... کے لیے زہر مہلک ہے۔ کھلے دل سے حقائق کو تسلیم کرنے والا ہو۔حقائق تسلیم کر ... فوری طور پر اپنے آئندہ کے تحقیقی لائحہ عمل کو ترتیب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

☆ مسلسل محنت کرنے کا عادی ہو۔کام سے جی کترانے والا کبھی بھی ایک اچھا محقق نہیں بن سکتا۔

☆ مستقل مزاج اور باحوصلہ ہو۔حوصلہ مندی اور جرأت پسندی محقق کی بنیادی صفات میں شامل ہے۔وہ جس موضوع پر تحقیقی کام شروع کرے اسے ادھورا چھوڑنے کے بجائے اسے بتدریج کے ساتھ تکمیل کے مرحلے تک لے کر جائے۔یہ محقق کی سب سے بڑی جیت اور کامیابی ہے۔

☆ دل جمعی سے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہو۔تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرے۔ایک اچھے محقق کو بے صبری اور جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

☆ معتدل مزاج ہو اور طبیعت میں توازن پایا جاتا ہو۔محقق کو چاہیے کہ وہ دوران تحقیق ذاتی پسند اور ناپسند کو سامنے نہ رکھے اسے جذباتی اسلوب سے بچنا چاہیے۔

☆ ڈٹ کر کام کرنے والا ہو، بے صبری کا مظاہرہ نہ کرتا ہو۔خواہ مخواہ اپنے علم کا ڈھنڈورا پیٹنے والا نہ ہو۔

☆ خوشامدی اور مطلب پرست نہ ہو، کسی کی خوشامد کے لیے حقائق کو تبدیل کرنے والا نہ ہو۔

☆ لالچی اور بک بک جھک جھک کرنے والا نہ ہو۔

☆ محقق کو ہمیشہ غیر جانبدار اور غیر متعصب رہنا چاہیے۔کسی بھی قسم کا تعصب تحقیق کے نتائج کو متاثر کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔بغیر لگی لپٹی بات کرنے والا ہو۔چاہے اس کے لیے اسے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

☆ علمی اور منصبی غرور نہ ہو، اپنی کوئی غلطی یا کمزوری نظر آئے تو اسے فوری طور پر دور کرنے والا ہو اور اگر کوئی غلطی کی نشاندہی کرے تو کھلے دل سے اس کی بات کو تسلیم کرے۔اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ علم والا نہ سمجھے۔

۲۔ ذہنی اوصاف

☆ ذہنی طور پر صحت مند ہو، کسی قسم کے ذہنی مرض میں مبتلا نہ ہو، جلدی غصہ یا طیش نہ آتا ہو۔

☆ بھولنے کی بیماری نہ ہو، یادداشت اچھی ہو، حافظہ اچھا ہوگا تو معلومات اور ان کے ماخذات یاد رہیں گے۔

☆ لوگوں کی پہچان رکھتا ہو۔ اسے معلوم ہو کہ کون درست معلومات دے رہا ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے۔

☆ تحقیقی کام یک سوئی سے کرنے کا عادی ہو۔ کیونکہ یہ کام وقت طلب اور مشکل ہے۔

☆ ایک جگہ بیٹھ کر دیر تک کام کرنے سے جی نہ چراتا ہو۔

☆ مطالعہ کرتے وقت اپنے ذہن کو دوسرے خیالات اور الجھنوں سے بچا کے رکھ سکتا ہو۔ کیونکہ ادھر اُدھر کے خیالات ذہنی انتشار کا باعث بنتے ہیں۔

☆ طبیعت میں شک کا مادہ ہو۔ کسی بھی چیز کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قبول نہ کرتا ہو بلکہ جب اسے یقین ہو جائے تب حقائق کو تسلیم کرے۔

☆ تقلید کرنے والا اور دوسروں کے پیچھے چلنے والا نہ ہو۔ بلکہ اس کے کام میں جدت اور ندرت ہونی چاہیے۔

☆ توہم پرست اور کمزور عقیدے اور غیر پختہ یقین کا حامل نہ ہو۔ خیالی دنیا کی باتیں کرنے کے بجائے حقیقت پسند ہو۔

☆ مربوط اور منظم سوچ کا حامل ہو۔ نظری اور فکری حوالے سے ادب کی تشریح و توضیح کر سکتا ہو۔

۳۔ علمی اوصاف

☆ دوسری زبانوں سے واقفیت رکھتا ہو۔ اس سے دوسری زبانوں کا علم بھی اسے حاصل ہوگا۔

☆ بیک وقت کئی علوم پر دسترس ہو۔

☆ محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ مطالعہ کرنے کا عادی ہو۔ زیادہ سے زیادہ مطالعہ معلومات میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

☆ نئے اور پرانے دونوں قسم کے علوم سے دلچسپی رکھتا ہو۔ قدیم علوم بھی بعض اوقات تحقیق میں کام آتے ہیں۔ اس لیے جدید علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ قدیم علوم میں بھی مہارت رکھتا ہو۔

☆ تاریخی شعور سے بہرہ ور ہو کیونکہ انسانی، سماجی اور ادبی روایت کا تعلق تاریخ سے ہے۔ تاریخی شعور محقق کو حقائق کی بازیافت میں مدد دے گا۔

☆ ماضی کو کھوجنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ پرانے نسخوں اور مخطوطات سے دلچسپی ہو۔

۴۔ ادبی اوصاف

☆ شعری و نثری ادب سے واقف ہو، علم عروض جانتا ہو، تشبیہہ، استعارہ، کنایہ اور تلمیح وغیرہ کا علم رکھتا ہو۔

☆ ادبی خیال، جذبہ اور تخیل سے واقف ہو۔

☆ ادبی علوم سے آشنا ہو۔ اسے قواعد، علم عروض اور علم زبان سے گہری شناسائی ہو۔

☆ تخلیقی مراحل سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ تحقیق تخلیق کے اردگرد گھومتی ہے، ماضی میں تخلیق کی گئی چیزوں کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے اس لیے محقق کے لیے تخلیقی عمل سے دلچسپی ضروری ہے۔

☆ خود بھی تخلیقی عمل سے گزرا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

۵۔ تنقیدی اوصاف

☆ تنقید و تجزیہ کرنا جانتا ہو۔ تحقیقی مواد تلاش کرنے کے لیے تنقیدی بصیرت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

☆ چیزوں کی پرکھ رکھتا ہو۔

☆ کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکتا ہو۔

☆ اصناف ادب کا تنقیدی مطالعہ رکھتا ہو۔

☆ تنقیدی شعور کا حامل ہو۔

☆ تنقیدی تھیوریوں کے متعلق آگاہی رکھتا ہو۔

☆ تنقیدی طریق کار سے واقف ہو۔

☆ ادبی تخلیقات کا تنقیدی اور تقابلی مطالعہ کی اہلیت رکھتا ہو۔

☆ عمیق قوت مشاہدہ رکھتا ہو۔

☆ تجس کا مادہ ہو۔

☆

۱۔ سائنسی اوصاف

☆ سائنسی طریق جانتا ہو۔ مفروضہ کیا ہوتا ہے، تحقیق میں مفروضے کی اہمیت اور اسے ثابت کرنے کے لیے دلائل واستدلال سے واقفیت رکھتا ہو۔

☆ نتائج میں سائنس کی سی قطعیت رکھتا ہو۔

☆ سائنسی علوم اور نظریات کی الف بے سے واقف ہو۔

☆ جدید ٹیکنالوجی سے آگاہی رکھتا ہو۔

☆ شہادت کی جانچ پرکھ کر سکتا ہو۔

☆ روایت اور درایت کا علم رکھتا ہو۔

☆ اہم انکشافات اور ایجادات کے بارے میں آگاہ ہو۔

☆ سائنسدان کی طرح نامعلوم سے معلوم تک کا سفر کر سکتا ہو۔

☆ مظاہر کائنات میں دلچسپی رکھتا ہو۔

نگران کے اوصاف

سندی تحقیق کے حوالے سے یونیورسٹیوں اور مختلف تحقیقی درس گاہوں میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے طلبہ اسکالر کے تحقیقی کام میں نگرانی اور رہنمائی کے لیے نگران تعینات کیے جاتے ہیں۔ جن کا مقصد طلبہ محققین کی رہنمائی کرنا ہوتا ہے۔

نگران کا کام سندی تحقیق کے لیے اپنے اسکالر کو مختلف تحقیقی مشقوں کے ذریعے مقالہ لکھنے کے قابل بنانا ہوتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں طلبہ اپنے نگران کا نام خود تجویز کرتے ہیں جبکہ بعض اوقات یہ فیصلہ ڈپارٹمنٹ خود کرتا ہے کہ کون کس اسکالر کا نگران ہوگا۔

مقالہ نگران میں درج ذیل اوصاف ہونے چاہئیں۔

۱۔ تحقیق سے خاص دلچسپی رکھتا ہو۔

۲۔ تحقیقی سرگرمی کے لیے وقت دے سکتا ہو۔

۳۔ موضوعِ تحقیق سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہو۔

۴۔ رہنمائی کا جذبہ رکھتا ہو۔

۵۔ سخت مزاج اور ترش رویے کا حامل نہ ہو۔

۶۔ علمی وادبی حوالے سے صاحبِ مطالعہ ہو۔

۷۔ تحقیق کے لیے مواد، کتابوں اور رسائل کے حصول میں معاونت کرنے والا ہو۔

۸۔ اپنے زیرِ نگرانی کام کرنے والے اسکالر کو اختلاف رائے کا حق دینے میں بخل سے کام نہ لینے والا ہو۔

نگران کی ذمہ داریاں

نگران کی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

امیدوار کو موضوع کی تلاش کے حوالے سے آزادی کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دے۔ اور اس سلسلے میں جہاں اسے مشکلات کا سامنا ہو، اسے مفید مشوروں سے نوازے اور درست موضوع کی تلاش میں اس کی رہنمائی کرے۔

موضوع منتخب ہو جانے کے بعد خاکہ بنانے میں امیدوار کی مدد کرے اور اگر ہو سکے تو نمونے کے چند خاکے بھی دکھا دے تاکہ اسے خاکہ بنانے میں آسانی ہو۔ خود سے خاکہ تیار کر نہ دے۔ بلکہ خاکہ بنانا سکھائے۔ اصل خاکہ بنانے سے پہلے دورانِ تدریس ہی نمونے کے طور پر اسکالر سے دو چار خاکے بنوائے تاکہ اس کی پریکٹس ہو جائے۔

موضوع کے حوالے سے اسے کتابیات بنانے کے فن سے آشنا کرے۔ اور اسے ابتدائی و ثانوی مصادر کے بارے میں معلومات دے۔

مواد کے حصول کے لیے اسکالر کی مدد بھی کرے اور رہنمائی بھی۔

اسکالر سے ترتیب کے ساتھ مقالے کے مختلف باب لکھوائے اور انھیں وقتاً فوقتاً چیک بھی کرتا رہے تاکہ اسکالر کو معلوم ہو سکے کہ وہ درست سمت میں اپنا کام کر رہا ہے۔ خاص طور پر پہلے باب کو بہت باریک بینی سے چیک کرے اور اس کی اصلاح کے لیے رہنمائی کرے۔

زبان یا جملوں کی درستی نہ کرے بلکہ غلطیوں کی نشاندہی کر کے اسکالر کو درست کرنے کا طریقہ بتائے۔

مقالے کی تسوید اور مقالہ کی حتمی تکمیل میں اسکالر کی ہر قدم پر رہنمائی کرے۔

زبانی امتحان کے سلسلے میں اُس کے حوصلوں کو بلند کرے اور اسے ذہنی طور پر زبانی امتحان کے لیے تیار کرے۔

مقالہ سے متعلق خود سے چند سوال تیار کر کے مقالہ نگار کا زبانی امتحان لے تاکہ وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائے کہ کس قسم کے سوالات کیے جا سکتے ہیں۔

تحقیق اور تنقید کا تعلق

تحقیق اور تنقید کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ یہ دونوں اپنے اپنے طریق کار میں ایک دوسرے کے لیے سہولت کار ثابت ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں جس قدر بھی تحقیق ہو رہی ہے اس میں تنقید کا بڑا حصہ ہے، کیونکہ دستاویزات اور دوسری معلومات کو تنقید کی مدد سے جانچا جاتا ہے۔ تنقید تحقیقی مواد کو جانچتی، پرکھتی اور سنوارتی چلی جاتی ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ کی ابتدا سے تکمیل تک تحقیق کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

"تحقیق اور تنقید لازم وملزوم ہیں اور ایک کے بغیر دوسرا نامکمل ہے اور ناقص رہتا ہے۔ اردو کے تحقیقی مقالات کا یہ پہلو خوش آئند بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ خوش آئند اس لحاظ سے کہ تنقیدی نقطہ نظر سے لکھے گئے مقالات میں مواد کی چھان پھٹک کے ساتھ ان کی تجزیاتی قدر و قیمت بھی پیشِ نظر رہتی ہے اور تحقیق محض گورکنی نہیں رہتی اور افسوسناک اس اعتبار سے کہ ایسے مقالات کا معیار کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں اور محقق ندرت فکر اور تخیل کی اڑانوں میں گرفتار ہو کر واقعات کی صحت کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کرتے۔ نتیجتاً ان کے تنقیدی نتائج پا در ہوا مفروضوں پر مبنی رہتے ہیں۔" (۱)

تحقیق کے مراحل طے کرنے اور درست نتائج تک پہنچنے کے لیے تنقید کا سہارا لازمی طور پر لینا پڑتا ہے۔ ایک محقق کبھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ بغیر کسی تنقیدی شعور کے اپنے تحقیقی مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ تحقیق حقائق کو تلاش کرنے کے بعد انھیں مربوط انداز میں جمع کر کے اصل صورت میں پیش کرنے کا نام ہے جب کہ تنقید چھان پھٹک اور جانچ پڑتال کو کہتے ہیں۔ ایک محقق جب کسی موضوع پر کام کر رہا ہوتا ہے تو وہ تحقیقی کام کے ساتھ ساتھ تنقیدی صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لا رہا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے بقول:

"تحقیق و تنقید کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔۔۔ ادبیات میں جب

تحقیق کی جاتی ہے تو تنقید کا سہارا لینا پڑتا ہے بغیر تنقید کا سہارا لیے ہوئے تحقیق ممکن ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ کسی ادبی کارنامے پر تحقیق کرنے سے قبل یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کی اہمیت ادب میں کیا ہے۔" (۲)

تنقیدی شعور تحقیق کی راہوں میں محقق کو صحیح منزل کا سراغ دیتا ہے اور یہ شعور خود تحریر سے جھلکتا ہے جب کوئی محقق اپنے موضوع سے متعلق مواد کو اکٹھا کرتا ہے تو پھر وہ بار بار اس مواد کا تنقیدی و تحقیقی تجزیاتی مطالعہ کرتا ہے اور اسے خوب پرکھتا ہے۔

ایک محقق کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ باتیں جو قرین قیاس نہیں ہیں یا جو واضح طور پر عقل اور حقیقت کی نفی کرتی ہیں انھیں اپنے تحقیقی مقالہ سے خارج کر دیا جائے۔ محقق کا مقصد تحریر میں توازن پیدا کرنا ہے اور اس توازن کے لیے مواد کو تنقیدی مراحل سے گزارنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

مواد کے حصول کے بعد اس کی چھان کے لیے تنقیدی میزان استعمال کرنا ضروری ہے اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیقی عمل کی شروعات ہی تنقید سے ہوتی ہیں۔ تنقید کا زینہ استعمال کر کے محقق اپنے تحقیقی نتائج اخذ کرتا چلا جاتا ہے۔

تحقیق محنت طلب کام ہے جسے دلچسپی کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ اس کام کے لیے بہت سی تکالیف اور مشکلات بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ جس موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا جا رہا ہو۔ اس موضوع کے حوالے سے انتہائی محتاط روی کے ساتھ معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض کتابیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں کئی جگہ پر غلط حوالے دیے گئے ہوتے ہیں۔ ان حوالوں اور عبارات واقتباسات کو اپنے مقالے کا حصہ بنانے کے لیے محقق کو اپنی تنقیدی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے اور ان غلط چیزوں سے بچ کر حقائق کو درست انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ بقول ایم سلطانہ بخش:

"گہری چھان بین، تقابلی مطالعہ اور بالاستعیاب نظرداری کو بھی اس کے لیے ایک ناگزیر صورت سمجھنا چاہئے جس کے بغیر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔" (۳)

تحقیق ایک ایسا فن ہے جس میں نزاکت اور پیچیدگی کے ساتھ ساتھ باریک بینی، جستجو اور تنقیدی تجزیے کا بھی پورا پورا عمل دخل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیقی عمل کو مختلف زاویوں اور مختلف نقطہ ہائے نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ تحقیق کے مراحل طے کرنے کے لیے جو ماخذ استعمال میں لائے جاتے ہیں ان کے بارے میں مکمل چھان پھٹک کی ضرورت ہوتی ہے اور حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ حقیقت اور اصل ماخذ تک رسائی ہو جائے اور جو ماخذات محقق استعمال کرتا ہے ان کا قابلِ اعتبار ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ مشکوک، مبہم، غیر متعین اور غیر واضح ماخذات سے استفادہ کرنے والا محقق کبھی بھی قابلِ قبول اور درست نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔

تحقیق کا بنیادی کام فکر کے اصل جوہر اور درست نتائج کو تلاش کر کے اس میں ربط اور ترتیب پیدا کر کے حقائق کو موثر انداز میں پیش کرنا ہے۔ اور اس سلسلے میں پہلے سے معلوم شدہ معلومات اور طے شدہ حقائق کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کر کے ان کی صحیح سمت کو متعین کرنا ہے۔ اور صرف متعین ہی نہیں کرنا بلکہ ان میں اضافہ بھی بہت ضروری ہے۔ تحقیقی موضوع کا انتخاب بھی تنقیدی رویے کے سبب ہی پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔

اور اس کے لیے پرانے تجربات اور نئی معلومات کا ہونا زیادہ مند ہو سکتا ہے۔ بقول ایم سلطانہ بخش

> "بنیادی طور پر موضوع کا انتخاب اور تحقیقی نقطہ نگاہ سے اس کی تشکیل اس طرح کرے کہ اس کی غیر ضروری وسعت خود بخود سکڑتی چلی جائے تاکہ موضوع کے حل کو تجربہ اور تجزیے کی کسوٹی پر پرکھا جاسکے۔"(۴)

چونکہ تحقیق کا اصل عام معلوم شدہ حقائق کی توسیع و ترتیب ہے اسی لیے حقائق کو دریافت کرنے کے لیے تنقیدی صداقت کو تنقیدی تعبیرات کا مظہر سمجھی جاتی ہے۔ جس کی مدد سے ہم ان نتائج کو پانے میں کامیاب ہوتے ہیں جن میں شک، گمان، ذاتی رائے، تعصب اور ذاتی پسند یا ناپسند کا عمل دخل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیقی کام سے متعلق عوامی رائے یا عمومی دعووں سے پرہیز کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر اوقات یہ گمراہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ تحقیق میں

عمومیت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ بقول سر سید احمد خاں:

''تحقیق کرنے والوں کو ہر چیز کی تحقیقات کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ لوگوں سے سنا ہو یا جو کچھ اس نے خود سمجھ رکھا ہو اس سے اول اپنے دل و دماغ کو خالی کرلے اور کسی حقیقت اور صحت پر پہلے سے یقین نہ کرے اس لیے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو یا تو تحقیقات کرنے پر اس کی توجہ نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اپنے خیالات کو یقین سمجھ کر اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھے گا یا تحقیقات کرتے وقت اس کے توہمات اور خطرات ایسے ہوں گے کہ وہ اس کی تحقیق میں خلل ڈالیں گے۔ ایسی تحقیقات کرنے والے کو چاہئے کہ وہ ان سب باتوں کو جو لوگوں سے سنی ہوں یا جو کچھ اس کے دل پر گزری ہو پیش نظر رکھے اور بغیر پیدا کیے یقین سے کہ وہ ان کی تحقیق بذریعہ اس آلے اور ذریعے کے جو اس کے امتحان کے لیے ہو کرے تاکہ اس کو خود معلوم ہووے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔''(۵)

ہم جانتے ہیں کہ تحقیق ایک ذمہ دارانہ کام ہے۔ جس کے ذمہ مختلف قسم کے کاموں کی نوعیت اور کارکردگی کا انکشاف، حقائق کی بازیافت اور اس پر عالمانہ تبصرہ کرتے ہوئے نتائج اخذ کرتا ہے اور اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم تحقیقی مواد اکٹھا کرتے وقت ہر مرحلے پر اس کا تنقیدی جائزہ لیں اور اس کو عقل وفہم کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اس مواد میں جہاں کہیں عمومیت یا ابہام کا اندیشہ ہو اسے تنقیدی مراحل سے گزار کر تحقیقی موضوع کے مستند ہونے کا ثبوت حاصل کرتے ہیں۔

تحقیق وتنقید کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا یہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں اور تنقید تحقیق کی نسبت زیادہ وسیع میدان رکھتی ہے۔ رشید حسن خان لکھتے ہیں:

''تنقید کے مقابلے میں تحقیق کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔ تحقیق بنیادی حقائق کا تعین کرے گی اور ان کی مدد سے ایسے نتائج نکالے جاسکیں گے جن میں شک یا قیاس یا تاویل یا ذاتی رائے کا عمل دخل نہ

ہو۔ اخذِ نتائج میں جہاں سے تعبیرات کی کارفرمائی شروع ہوگی اور ان پر مبنی اظہار رائے کا پھیلاؤ شروع ہوگا۔ وہاں تحقیق کی کارفرمائی ختم ہو جائے گی۔"(۶)

تحقیق چھان بین کرنے کا نام ہے تو تنقید سے ہم کھرے کھوٹے میں پہچان کرتے ہیں جب تک مطلوبہ مواد کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ جھوٹ پر مبنی ہے یا حقیقت پر اس وقت تک ہماری تحقیق اور چھان بین نامکمل اور ادھوری ہے۔ نقاد اس بات کی تحقیق کرتا ہے کہ جس فن پارے یا جس مواد کے بارے میں وہ اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے اس کی تخلیق کے ذمہ دار کون سے عوامل ہو سکتے ہیں۔ حوالہ کس ذریعے سے ہو کر آیا ہے گویا تنقید، تحقیق کے لیے اتنی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینے کے لیے آکسیجن۔ تنقید محقق کے کام کو آسان بناتی ہے۔ بقول جمیل جالبی:

"جب آپ نے تلاش و جستجو سے، جسے آپ تحقیق یا ریسرچ کا نام دیتے ہیں "صحیح" تلاش کر لیا تو پھر آپ جو نتائج نکالیں گے جو رائے قائم کریں گے اور جو بات اس کی روشنی میں لکھیں گے وہ بھی مستند اور صحیح ہوگی۔"(۷)

یہ حقیقت ہے کہ تحقیق سے تنقید کو مدد ملتی ہے اور تنقید سے تحقیق کو۔ تنقید تحقیقی مقالوں کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے جس کا علم عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تحقیق غلط نتائج اخذ کرنے کا موجب بھی بن سکتی ہے جس کا ازالہ تنقید و تجزیہ سے ہی ممکن ہے۔

لکھنا یا تحقیقی کام کرنا خود اپنی جگہ ایک مشکل اور محنت طلب کام ہے مگر اس سے زیادہ مشکل کام اس تحریر میں سے زوائد کو نکالنا اور مقالے کو حتمی شکل دینا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی موضوع سے متعلق مختلف اور متضاد حوالے سامنے آتے ہیں اس صورت حال میں تنقید محقق کو حقیقت تک لے جاتی ہے۔ ایک محقق جب بھی کسی موضوع کے حوالے سے مواد کو جمع کرتا ہے تو اس کے ذہن میں فوری طور پر یہ بات ضرور آتی ہے کہ اس کا جمع کیا ہوا مواد درست ہے یا اس میں کوئی مبالغہ اور قیاس کا عمل دخل تو نہیں ہے۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ اس کا

تحقیقی کام زیادہ سے زیادہ مستند ہو اور یہ استناد تنقید کی معاونت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ محقق بار بار اپنے جمع شدہ مواد کے بارے میں غور و خوض اور سوچ بچار سے کام لیتا ہے اور اپنے تحقیقی کام کو مکمل کرتے وقت وہ ایک محقق ہونے کے ساتھ ساتھ نقاد بھی ہوتا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''تنقید کئی خدمتیں انجام دیتی ہے۔۔۔سنت قدیم پر غیر ضروری شیفتگی سے بچاتی اور دوسری طرف جدت یا جذبات کے زور میں تمام حدود کو توڑ کر نکل جانے سے روکتی ہے۔یعنی بریک کا کام دیتی ہے۔''(۸)

تحقیق میں مطالعہ و مشاہدہ کے ساتھ ساتھ تجربہ کی وسعت بھی نہایت اہمیت رکھتی ہے۔کسی فن پر تحقیق کرنے سے پہلے اس فن کی روایت اور تکنیک سے مکمل آگاہی بھی ضروری ہوتی ہے۔محقق اپنے تجربات و تاثرات کو جمع کرتے ہوئے اور ترتیب دیتے ہوئے ناقدانہ عمل سے گزر کرانے مواد پر تنقیدی نظر ڈالتا ہے۔بقول ڈاکٹر سجاد باقر رضوی:

''جس طرح فن کی تخلیق سے پہلے فن کار اپنے مواد کے رد و قبول اور روایت کے بارے میں تنقیدی عمل سے گزرتا ہے اسی طرح فن کی تخلیق کے بعد بھی اسے ناقد بننا پڑتا ہے۔۔۔وہ اس کے حسن و قبح پر نظر ڈالتا ہے، اس میں ترمیم و تنسیخ کرتا ہے۔''(۹)

تحقیق کے ساتھ ساتھ کسی کتاب کی تدوین میں بھی ہم تنقید کے بغیر متن کو بہتر طور پر ترتیب نہیں دے سکتے نہ اس کی آسانی سے تصحیح کر سکتے ہیں۔تدوین میں تنقید ادبی تنقید سے الگ انداز میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہاں یہ مختلف متون کے درمیان فرق اور متن کی اصلیت کو جاننے میں مدد دیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

''ادبی تنقید میں ادب اور مقصد ادب سے متعلق مختلف زاویہ ہائے نگاہ کے تحت کسی شعری یا ادبی تصنیف کی فکری اور فنی قدر و قیمت کے تعین کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس کے خوب و ناخوب کے بارے میں فیصلہ دیا جاتا ہے۔ لیکن تنقید متن کی صورت میں کسی غیر تحقیقی نقطۂ نظر کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ذاتی یا جماعتی پسند و ناپسند سے اسے کوئی

متعلق مختلف خارجی وداخلی حقائق سے واسطہ نہیں۔ یہاں تو متن سے
گفتگو کی جاتی ہے۔ اور کسی متن کی تحقیقی اہمیت اور ترتیب متن کے
نقطہ نظر سے اس کی افادیت پر کوئی فیصلہ دیا جاتا ہے۔" (۱۰)

اس تمام بحث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح تحقیق کی ابتدا تنقید سے ہوتی ہے بالکل اسی طرح تحقیق کی انتہا اور مقالے کی حتمی شکل بھی تنقید ہی کے مرہون منت ہے۔ دوران تحقیق مقالہ نگار ہر قدم پر تنقیدی مراحل سے گزرتا ہے اور تحقیقی مقالہ کو حتمی شکل دینے کے قابل ہوتا ہے۔

حوالہ جات

١۔ وحید قریشی، ادبی تحقیق کے اصول، ص٢٤
٢۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ١٩٨٠ء، ٢٣٧
٣۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر (مرتب)، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص٣٥٨
٤۔ ایضاً، ص١٤
٥۔ سرسید احمد خاں، تہذیب الاخلاق جلد اول، بحوالہ معراج نیر زیدی، لاہور، ابلاغ، ١٩٩٥ء، ص٢٧٠
٦۔ رشید حسن خاں، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ١٩٨٩ء، ص١٢
٧۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر لکھنے کا اصول، مشمولہ نقوش لاہور عصری ادب نمبر، ١٩٨٢ء، ص١٦٦
٨۔ مقدمہ از مولوی، عبدالحق، مشمولہ اردو تنقید کا ارتقا، ص٢١
٩۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ١٩٩٤ء، ص٥
١٠۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، اصول تحقیق وترتیب متن، لاہور، سنگت پبلشرز، ٢٠٠٦ء، ص٥٣

مقالہ لکھنے کا فن

تحقیقی مقالہ لکھنا مضمون نگاری سے الگ ایک تحقیقی سرگرمی ہے، ایک ایسی سرگرمی جس میں حقیقتوں اور صداقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے نامعلوم کو معلوم کیا جاتا ہے، نئی بات کو سامنے لایا جاتا ہے اور غیر موجود یا چھپے ہوئے حقائق کو تلاش کیا جاتا ہے، مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے مواد کی تنقیح کی جاتی ہے اور اصولوں کی تلاش کی جاتی ہے۔اس کا اسلوب شاعرانہ کے بجائے تحقیقی ہوتا ہے۔ تحقیقی مقالہ لکھنے کا بنیادی مقصد علم وادب کے دائرے کو وسیع کرنا اور اُن تہذیبی وفکری نتائج تک پہنچنا ہوتا ہے جو انسانی زندگی اور سماجی رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

آج کل جہاں یونیورسٹیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ عمل میں آیا ہے وہاں ہر یونیورسٹی میں ایم اے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے پروگرام بھی شروع کر دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے موضوعات کے انتخاب کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ اکثر اسکالر موضوع نہ ملنے کی وجہ سے پروگرام چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کہ غلط موضوع کا انتخاب کر بیٹھتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ مقالہ مکمل نہیں کر پاتے۔ انھیں مسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ مقالہ ساز کمپنیاں بھی وجود میں آچکی ہیں جو کہ ایک خطیر رقم کے بدلے میں مقالہ لکھ دیتی ہیں لکھنا تو شاید غلط کہہ دیا، ادھر ادھر سے کانٹ چھانٹ کر مواد تیار کر دیتی ہیں۔اس طرح پہلے سے کیا گیا کام نئے عنوانات کے ساتھ سامنے آنے لگتا ہے۔ جس سے تحقیق کی کوئی خدمت نہیں ہوتی بلکہ الٹا تحقیقی عمل کو نقصان پہنچتا ہے۔

تحقیق کی دنیا میں آنے کے بعد سب سے اہم کام موضوع کا انتخاب ہے اور اس کے

بعد مواد کی فراہمی اور مقالہ کی تکمیل۔
موضوع کا انتخاب کرتے وقت بہت سی باتوں کو ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔
جیسے ہی کسی کا ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی پروگرام میں داخلہ ہو اُسے چاہئے کہ اُسی دن سے کتابیں اکٹھی کرنا شروع کردے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی اور غیر ملکی نمائندہ جرائد بھی جمع کرنے چاہئیں۔ اخبارات کے کالم، فیچر اور ادبی ایڈیشن بھی بعض اوقات نہایت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔لہٰذا انھیں بھی جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔اس طرح موضوع کے انتخاب کا وقت آتے آتے اُس کے پاس رسائل وجرائد اور کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ جمع ہوجائے گا جو کہ اُس کے لیے ایک ایسا علمی وادبی خزینہ ہوگا جو کہ کورس ورک کے دوران بھی کام آئے گا اور آنے والے وقتوں میں بھی۔
موضوع کے انتخاب کے لیے پہلے سے کیے گئے کام پر نظر ڈالنا ضروری ہے کہ کون کون سے موضوع پر کام ہو چکا ہے۔اس حوالے سے کئی لسٹیں اور کتابیں مل جاتی ہیں۔ اگر ان موضوعات کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو انھیں موضوعات میں سے نیا موضوع بھی سامنے آسکتا ہے۔کم سے کم اس بات کا تو پتہ چل ہی جائے گا کہ کن کن موضوعات پر کام نہیں ہوسکتا۔
موضوع انتخاب کرتے وقت اپنے ذوق کا خاص خیال رکھا جائے، اگر ایک شخص شاعری سے دلچسپی نہیں رکھتا تو اسے شاعری کے حوالے سے موضوع کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح اگر کسی کی دلچسپی تخلیقی نثر سے ہے تو اسے تخلیقی نثر کے حوالے سے کوئی موضوع لینا چاہئے۔
مقالہ نگار کو چاہئے کہ وہ اپنے پاس موجود مواد کو دیکھے کہ کس کس حوالے سے اس کے پاس کتابیں رسائل یا اخبارات موجود ہیں جو کہ اسے موضوع کے انتخاب میں مدد دے سکتے ہیں۔

شخصیات پر تحقیقی کام

امیر خسرو، ولی، سودا، میر، آتش، غالب، مومن، ذوق، نظیر اکبر آبادی، اکبر الہ آبادی، اقبال، جوش، فیض، ن م راشد، منٹو، کرشن چندر، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، میرا جی، ناصر کاظمی، شکیب جلالی، ابن انشا، وزیر آغا، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، شہزاد احمد وغیرہ کے حوالے

سے بے شمار مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں۔ اقبال اور غالب کے حوالے سے تو اقبالیات اور غالبیات کے حوالے سے ہونے والے تحقیقی کام پر مزید کام ہو سکتا ہے۔

اداروں پر تحقیقی کام

اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے بہت سے ادارے سرگرداں ہیں۔ ان اداروں میں انجمن ترقی اردو، مجلس ترقی ادب، ادارہ فروغ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اقبال اکادمی، قائد اعظم اکادمی، اکادمی ادبیات وغیرہ ایسے ادارے ہیں جن میں سے کئی ایک کی خدمات پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ اسی طرح کے دیگر کئی ادارے موجود ہیں جو کہ اردو زبان کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان پر کسی نہ کسی حوالے سے تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔

انجمنوں پر کام

اردو زبان وادب کے فروغ سے سے متعلق کئی انجمنیں اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ ان میں سائنٹفک سوسائٹی، انجمن پنجاب، انجمن حمایت اسلام، انجمن مفید عام، دہلی سوسائٹی، ادبی مجلس دہلی، انجمن دہلی، بک سوسائٹی دہلی، مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی، انجمن اشاعت العلوم لاہور، ترقی پسند تحریک، حلقہ ارباب ذوق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بھی موضوع کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔

کتابوں پر تحقیقی کام

شعروادب اور فلسفہ ونظریات سے تعلق رکھنے والی ہزاروں کتابوں پر تحقیقی کام عمل میں آچکا ہے، نہ کتابیں کم ہیں اور نہ کام کرنے والے۔ اس طرح اس شعبہ میں تحقیق کی بہت گنجائش ہے۔ یہ کتابیں کلیات یا دواوین بھی ہو سکتے ہیں اور نثر وشاعری کی صنف کے حوالے سے کوئی بھی کتاب ہو سکتی ہے۔ کسی ادارے کی کتابوں پر بھی کام کیا جاسکتا ہے اور کسی ایک مصنف کی کتابوں پر بھی۔ کسی موضوع کے حوالے سے شائع ہونے والی کتابوں پر بھی کام ہو سکتا ہے۔

رسائل وجرائد پر تحقیقی کام

افکار، فنون، نقوش، ساقی، ماہ نو، اوراق، صحیفہ، اخبار اردو، قومی زبان، مخزن، سیپ،

...یونیورسٹیوں سے شائع ہونے والے تحقیقی رسائل وجرائد، رسائل، کالجوں کے رسائل پر مختلف
...والوں سے کام ہو چکا ہے۔ ابھی مزید تحقیق کی جا سکتی ہے کیونکہ گزشتہ ایک عرصے سے مسلسل
...شائع ہونے والے رسائل کے نئے شمارے سامنے آ چکے ہیں۔ اور نئے رسائل بھی شائع ہو رہے

...ادب پر تحقیقی کام

شعروادب کی مختلف اصناف پر تحقیقی کام بہت سا ہو بھی چکا ہے اور بہت سے کام کی ابھی
گنجائش باقی ہے، غزل، نظم، مرثیہ، مثنوی، ہائیکو، آزاد نظم، ترائیلے، تروینی، رباعیات، قطعات،
دیگر ایسے شعری موضوعات ہیں جن میں نئے اور پرانے لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود

اسی طرح نثری ادب میں سفرنامہ، ناول، افسانہ، خودنوشت وغیرہ جیسی اصناف پر مختلف
...والوں سے کام ہو سکتا ہے۔

اخبارات پر تحقیقی کام

مختلف اخبارات پر کام ہو چکا ہے اور مزید کام کی گنجائش باقی ہے۔ اخبارات میں جہاں
خبریں شائع ہوتی ہیں وہاں ادبی صحافت کے حوالے سے شعروادب کا ذخیرہ بھی مل جاتا ہے۔
اس کے علاوہ ادبی کالم، فیچر، اداریے وغیرہ پر کام ہو سکتا ہے۔

تنقید و تحقیق پر تنقیدی کام

مختلف موضوعات پر جو تنقیدی اور تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں یا جو مواد رسائل میں بکھرا
پڑا ہے اس پر کام کی گنجائش ہے۔

غیر تخلیقی نثر پر تحقیقی کام

مضامین، مقالات، یادداشتیں، تراجم وغیرہ پر کام ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے تحقیقی کام
کے لیے وسیع امکانات موجود ہیں۔

تدوین کے حوالے سے تحقیقی کام

اردو میں بہت سا تدوینی کام ہو چکا ہے اور بہت سے ایسے مخطوطات اور بیاضیں موجود

میں جس پر کام کی گنجائش ہے۔

تقابلی مطالعہ

مختلف کتابوں، شخصیات اور موضوعات کا تقابلی جائزہ لے کر اس ضمن میں بھی تحقیق کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

کس قسم کا موضوع نہ لیا جائے:

تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد موضوع کے انتخاب میں محقق کو سب سے زیادہ احتیاط برتنی پڑتی ہے۔ اگر موضوع کے انتخاب میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی تو دوران تحقیق شروع سے آخر تک اس غلطی کا خمیازہ محقق کو بھگتنا پڑے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غلط موضوع کا انتخاب کرکے تحقیق کا کام مکمل ہی نہ کر پائے۔ اور اس کی ساری محنت اکارت چلی جائے۔ محقق کو چاہیے کہ موضوع کے انتخاب کے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھے:

۱۔ کوئی ایسا موضوع ہرگز نہ لیا جائے جس کے بارے میں اسکالر کو ابتدائی اور بنیادی باتوں کا بھی علم نہ ہو۔

۲۔ وہ موضوع نہ لیا جائے جس کے بارے میں یہ خطرہ ہو کہ آسانی سے مطلوبہ مواد دستیاب نہیں ہو سکے گا۔

۳۔ ایسا موضوع بھی نہ لیا جائے جو کہ اسکالر کے لیے مالی مسائل کا سبب بنے۔ بلکہ وہ موضوع ہو جس کے اخراجات آسانی سے برداشت کیے جا سکیں۔

۴۔ زیادہ طویل اور پھیلا ہوا موضوع نہ لیا جائے کیونکہ اس میں یہ خدشہ رہے گا کہ مقالہ بروقت مکمل نہ ہو پائے گا۔

۵۔ ایسا موضوع نہ لیا جائے جس میں کوئی ایسی زبان کا بھی عمل دخل ہو جس میں آپ مہارت نہیں رکھتے۔

۶۔ وہ موضوع نہ لیا جائے جس سے مجوزہ نگران کو اختلاف ہو اور وہ اس پر کام نہ کرانا چاہتا ہو۔ ایسا موضوع آئندہ کے لیے نگران سے ناراضی کا سبب بنے گا جس کا نتیجہ مقالہ نگار کے لیے ہو سکتا ہے خوش آئند نہ ہو۔

۷۔ وہ موضوع نہ لیا جائے جس پر پہلے سے کوئی کام ہو چکا ہو اور جس کے حوالے

سے مزید کام کی واضح طور کوئی گنجائش نہ ہو۔

۸۔ ایسا موضوع نہ ہو جو کہ الجھا ہوا اور پیچیدہ ہو، جس کے تحقیقی نتائج تک پہنچنے میں اسکالر کو مشکل پیش آئے۔

خاکہ نگاری کے مراحل

کسی بھی تحقیقی منصوبے یا تحقیقی مقالے کو لکھنے کے لیے سب سے پہلے اس کا خاکہ بنانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی عمارت کو بنایا جائے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیا جاتا ہے۔ اگر نقشہ نہیں ہوتا تو عمارت بے ڈھب اور بے ڈھنگ ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ نقشے کے بغیر عمارت مکمل ہی نہ ہو پائے۔

تحقیقی موضوع کے لیے ایک خاکہ ضرور ہونا چاہیے، بغیر خاکے کے موضوع کی تکمیل صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی یہ کام واضح اور منظم ہوسکتا ہے۔ (۱)

خاکہ انگریزی لفظ Synopsis کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے ہم تحقیقی مواد کی ترتیب کے لیے منصوبہ بندی کا نام دیتے ہیں۔

کسی بھی حوالے سے ادبی تحقیق کرتے وقت اس کے بارے میں مطالعہ ضروری ہے۔ کام کرنے سے پہلے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ بقول پروفیسر محمد عارف:

> "چونکہ خاکے میں موضوع اور مفروضہ بنیادی کردار کے حامل ہوتے ہیں لہٰذا خاکہ سازی پس منظری مطالعہ کر لینے کے بعد ہی ممکن ہے۔" (۲)

پس منظری مطالعہ کے علاوہ سیاسی و سماجی پس منظر بھی دیا جا سکتا ہے۔

موضوع کا انتخاب

مقالہ نگاری میں سب سے پہلے موضوع کا انتخاب اہمیت کا حامل ہے۔ موضوع کے انتخاب کو یونہی کام سی بات نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اسے تحقیق کی بنیاد سمجھتے ہوئے اس پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

تحقیق کرنے والے کو ایسے موضوع کا انتخاب کرنا چاہئے جس پر پہلے سے کچھ نہ کچھ جانکاری رکھتا ہو، موضوع کے انتخاب میں اپنی صلاحیتوں کا لحاظ رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔ تحقیق کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی ان کی فراہمی پر بھی نظر ہونی چاہئے۔ (۳)

موضوع اگر ایک طالب علم کے لیے ہو تو اس کی ضروریات کچھ اور ہوں گی، چونکہ طالب علم اس میدان میں نووارد ہے تو اسے ایسا موضوع انتخاب کرنا ہوگا جو کہ اس کے لیے مسائل پیدا کرنے کا سبب نہ بنے جو اس کے نگران کو بھی پسند آئے اور اس کی یونیورسٹی، بورڈ آف اسٹڈی کے ممبر اور بورڈ آف ایڈوانس سٹڈی کے ممبر بھی اسے بآسانی منظور کرلیں۔

اس قسم کے موضوع میں مکمل طور پر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس حوالے سے پہلے سے کوئی کام نہ کیا گیا ہو، دوسرا وہ محقق کے مزاج کے مطابق ہو اور وہ اس موضوع کو سمجھتا ہو اس کا ڈیفنس بھی کر سکتا ہو۔ بعض اسکالر اپنے ہونے والے مقالہ کے نگران پر زور دیتے ہیں کہ وہ ان کے لیے خود کوئی موضوع منتخب کردیں، ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے جہاں اسکالر کے لیے مسائل پیدا ہونے کا امکان ہے وہاں نگران کے لیے بھی یہ مسئلہ ہوگا کہ اسے ہر قدم پر اسکالر کا ہاتھ پکڑ کر تحقیقی منازل سے گزارنا ہوگا، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسکالر اپنا تحقیقی موضوع خود چُنے اور ایسا موضوع چُنے جو کہ اس کے مزاج سے میل کھاتا ہو۔ موضوع اسکالر کی پسند کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ بقول گیان چند:

> ''موضوع اسکالر کی پسند کا ہونا چاہئے یا نگران کی پسند کا؟ عموماً! اسکالر اپنی پسند سے واقف ہی نہیں ہوتا۔ وہ فیصلہ نہیں کرسکتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہے کہ وہ کن موضوعات پر کام نہیں کرسکتا۔ اگر نگران اپنی کوتاہ اندیشی یا ضد کی وجہ سے کوئی ایسا موضوع اسکالر کے متھے منڈھ دے جس سے اسے رغبت نہ ہو تو نتیجہ ظاہر ہے۔'' (۴)

اسی لیے کوشش کرنی چاہئے کہ اسکالر اپنے مزاج کو پہچانے اور اپنی پسند کا موضوع منتخب کرے۔ اس کے لیے مناسب طریقہ یہ ہے کہ اس کی نظر پہلے سے ہو چکے موضوعات پر ہو، اسے پتہ ہو کہ کن موضوعات پر کام ہو چکا ہے اور کن کن موضوعات پر کام ہو سکتا ہے، اسکالر کو دوران کورس ورک ہی موضوع کے حوالے سے سوچنا شروع کردینا چاہئے اور اسے دو یا تین

موضوعات منتخب کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب اپنے نگران کی مدد کر لے۔

موضوع کے انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ خاکہ بنانے کا ہوتا ہے۔خاکہ بناتے وقت سب سے پہلے موضوع کا بھرپور تعارف کرایا جاتا ہے۔

موضوع کا تعارف

موضوع کے انتخاب کے بعد موضوع کے تعارف کا نمبر آتا ہے۔اس میں موضوع کا مکمل تعارف کرایا جاتا ہے کہ اس کی تعریف کیا ہے، اس کا پس منظر کیا ہے اور اس حوالے سے پس منظر مطالعہ کیا ہونا چاہیے۔موضوع کی حدود اور وقت کا تعین بھی کیا جائے۔کہ موضوع کا دورانیہ کیا ہوگا اور یہ کتنے وقت میں مکمل کیا جائے گا۔

موضوع کی ضرورت واہمیت

موضوع کے تعارف کے بعد اس کی ضرورت واہمیت کی بات کی جاتی ہے۔کوئی بھی موضوع اپنی افادیت کے بغیر نہیں لیا جاسکتا۔ایسا موضوع جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا جس سے تحقیق کی کوئی خدمت نہ ہوتی ہے، اس پر کام کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

محقق کو چاہئے کہ وہ اپنے موضوع تحقیق کی ضرورت اور اس کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ موضوع کے حوالے سے تحقیق میں کیا امکانات پیدا ہو سکتے ہیں اور کون کون سے نئے پہلو سامنے آسکتے ہیں۔تحقیقی مسئلے یا تحقیقی موضوع کو اپناتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ تحقیقی موضوع نیا ہونا چاہئے۔

۲۔ اس پر پہلے سے کوئی کام نہ کیا گیا ہو، اس حوالے سے کوئی مقالہ یا کتاب پہلے سے لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔

۳۔ تحقیقی موضوع کا مواد دستیاب ہوسکتا ہو۔

۴۔ تحقیقی موضوع پر کام کرتے ہوئے، اس کے مالی اخراجات آپ برداشت کر سکتے ہوں۔

۵۔ تحقیقی موضوع نہ ہی اتنا چھوٹا ہو کہ چند دن میں مکمل ہو جائے نہ اتنا طویل ہو کہ آپ اسے مکمل ہی نہ کر سکیں۔

خاکے کی کتابیات

موضوع کا انتخاب ہی مشکل مرحلہ ہے۔ جیسے ہی موضوع کا انتخاب ہو جائے تو سمجھو کہ تحقیقی کام کی ابتدا ہوگئی۔ موضوع کے انتخاب کے بعد اس کے حوالے سے سب سے پہلے یہ کام کیا جاتا ہے کہ تحقیقی موضوع کی مناسبت سے کون کون سی کتابیں یا رسائل و جرائد آپ کے پاس موجود ہیں یا قریب ترین لائبریریوں میں کیا کچھ مواد مل سکتا ہے یا اس تحقیقی موضوع کے حوالے سے پہلے کیا کچھ طبع ہو چکا ہے۔

اگر اس موضوع کے حوالے سے جزوی یا ضمنی طور پر کوئی تحقیقی کام ہوا ہے تو اس کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے اور ایک کتابیات ترتیب دے لی جاتی ہے جس میں بنیادی اور ثانوی تمام ماخذات کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔

اس حوالے سے دیگر خاکوں کی کتابیات سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ کتابیات کے اندراجات یوں ہوں گے۔

بنیادی کتب

ثانوی کتب

انگریزی کتب

رسائل

اخبارات

مطبوعہ مقالات

غیر مطبوعہ مقالات

لغات

انسائیکلوپیڈیا

فرہنگ

ویب سائٹس

مفروضہ

مفروضہ اس قیاس یا فرضی بات کو کہتے ہیں جس کو بنیاد بنا کر تحقیق کا عمل شروع کیا جاتا

ہے اور اسی مفروضے کو بنیاد بناتے ہوئے اس کے حوالے سے مختلف ذرائع سے مواد حاصل کر کے اس کی چھان بین کی جاتی ہے۔

تحقیق میں سب سے پہلے مفروضہ قائم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مفروضے ہی کو بنیاد بنا کر تحقیق کی جاتی ہے۔ جتنے بھی نظریات اب تک راسخ ہو چکے ہیں وہ مفروضے کی بنیاد پر آگے بڑھے اور ان میں تحقیق در تحقیق کے ذریعے سے نظریے تک پہنچنے کا عمل مکمل ہوا۔

جب کوئی مفروضہ فرض کر لیا جاتا ہے تو اس کے لیے حقائق کو اکٹھا کیا جاتا ہے، جیسے جیسے شواہد اور صداقتیں ملتی جاتی ہیں مفروضہ نظریہ بننے کی طرف اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مفروضہ نظریے کی بالکل ابتدائی شکل ہے۔ اور اس کو ابتدائی تحقیق کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔ مفروضہ کی پیشکش محقق کے ذوقِ تخیل، ذہنی سرگرمی اور تحقیقی مزاج کی وجہ سے عمل میں آتی ہے۔

مفروضہ صرف اس تحقیق میں ضروری ہوتا ہے جس میں کسی نظریے کو حتمی اور عملی شکل دینی ہو۔ فہرست سازی، اشاریہ سازی یا کتابیات میں مفروضہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک ایسا مفروضہ جو بہت سوچ سمجھ کر اور عمیق مطالعے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ اس میں محقق کی ندرتِ فکر کو بھی دخل ہوتا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے کسی مفروضے کو اپنا کر اس پر کام شروع کر دینا عقل مندی نہیں ہے۔

تحقیقی سوال

مقالہ نگاری میں تحقیقی سوال بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ موضوع کے انتخاب کے بعد محقق کو کچھ تحقیقی سوالات بھی سامنے رکھنے چاہئیں تحقیق میں جن کا جواب تلاش کیا جائے۔ تحقیقی سوالات دو یا دو سے زیادہ ہو سکتے ہیں، مگر ان کا موضوع سے مناسبت رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے، کیونکہ ہم موضوع سے باہر نہیں جا سکتے اس لیے تحقیقی سوالات کو موضوع کی مناسبت سے ہونا چاہئے۔

تحقیق کا مقصد

تحقیق کا مقصد پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ محقق کے ذہن میں یہ بات موجود ہو کہ آخر اس کی تحقیق کس وجہ سے کی جا رہی ہے اور اس کے پیچھے اس کے عزائم کیا ہیں۔ اس تحقیق سے کوئی نئی معلومات ملیں گی یا کوئی نئی بات سامنے آئے گی۔

وہ تحقیق جس کے سر پیر کا علم نہ ہو اور نہ ہی اس کی تحدید کی جا سکے بعد میں محقق کے لیے پریشانی کا باعث ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر تحقیق کسی سند کے حصول کے لیے کی جا رہی ہے تو اس کے نتائج کو پیشِ نظر رکھا جائے تاکہ بروقت کام مکمل کر کے سند حاصل کی جا سکے۔

طریقِ تحقیق

موضوع کے انتخاب کے بعد طریق تحقیق اختیار کرکو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی موضوع تحقیق ہو اُس کا اپنا رخ اور سمت ہوتی ہے جسے متعین کر کے طریق کار وضع کیا جا سکتا ہے۔ درست راستے کا انتخاب کر کے ہم اپنا تحقیقی کام آسانی سے اور اپنے مقررہ وقت پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ تحقیقی مقالہ میں درکار مواد اور معلومات کی نوعیت جاننے کے بعد طریق کار کا انتخاب موضوع کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ طریق کار بیانیہ بھی ہو سکتا ہے اور تجزیاتی بھی، کیس اسٹڈی بھی ہو سکتا ہے اور انٹرویو بھی، سوالنامہ بھی ہو سکتا ہے اور سروے بھی۔

تحقیق کا دائرہ کار

تحقیق کے دائرہ کار کی تحدید کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک تحقیق کے حوالے سے ہم یہ تعین نہیں کریں گے کہ تحقیق کا آغاز کہاں سے ہوگا اور اختتام کہاں پر، یہ کس زمانی دور پر مشتمل ہوگی یا ہم اسے کن مصنفین تک محدود رکھیں گے یا کس مسئلۂ تحقیق کو بیان کیا جائے گا، اُس وقت تک ہم سیدھے راستے پر تحقیق کو نہیں ڈال سکتے۔ تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ مقالہ لکھنے سے پہلے ہی اُس کا دائرہ کار متعین کر لیا جائے۔

مستقبل میں امکانات

موضوع پر تحقیق کرتے وقت ہم ماضی کے حوالے سے کام کرتے ہیں، مگر زیرِ تحقیق مسئلہ کو سامنے لاتے ہوئے اور اس پر تحقیق کرتے ہوئے اس بات کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے کہ اس موضوع کے مستقبل میں زبان و ادب یا تحقیق پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، کیا اس سے مستقبل میں مزید تحقیقی امکانات پیدا ہوں گے یا یہ موضوع یہیں ختم ہو جائے گا۔

حصولِ مواد کے ذرائع

درج ذیل جگہوں سے مواد حاصل کیا جا سکتا ہے:

۱۔ سرکاری یا پرائیویٹ لائبریریاں

۲۔ نجی یا شخصی کتب خانے

۳۔ آڈیٹوریم

۴۔ میوزیم

۵۔ مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب

۶۔ رسائل و جرائد

۷۔ زبان وادب کے فروغ کے لیے کام کرنے والے ادارے

۸۔ اگر کسی شخصیت پہ تحقیقی کام ہورہا ہو تو اس کے گھر یا اس سے متعلق اداروں سے بھی مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۹۔ مختلف انٹرویو اور سوالناموں سے۔

۱۰۔ مختلف جگہ کھدائی سے ملنے والے سامان سے

۱۱۔ مخطوطات اور بیاضوں سے

۱۲۔ انٹرنیٹ سے

۱۳۔ سینہ در سینہ مختلف روایتوں، لوک کہانیوں سے

۱۴۔ ادب سے دلچسپی رکھنے والی مختلف شخصیات سے

ابواب بندی

مقالہ کو سہولت کے لیے مختلف حصوں میں تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ مختلف حوالوں سے پورے موضوع کو ابواب میں تقسیم کردیا جاتا ہے جس سے مواد کی ترتیب اور پیش کش میں آسانی رہتی ہے۔

جہاں تک ابواب کی تعداد کا تعلق ہے تو عموماً پانچ یا چھ ابواب بنائے جاتے ہیں یا موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے ابواب میں کمی بیشی بھی کی جاسکتی ہے۔

ابواب اور کتابیات کے بعد ماحصل دیا جاتا ہے جس میں پورے مقالے کا نچوڑ پیش کیا جاتا ہے۔ ماحصل یا محاکے میں حوالہ جات نہیں دیے جاتے بلکہ اپنے الفاظ میں پورے مقالے کا مرکزی خیال اور نتائج پیش کیے جاتے ہیں۔

ابواب کی تفصیل

ابواب بندی کے بعد ابواب کی تفصیل دینا بھی ضروری ہے۔ ہر باب میں کس قدر اور کس نوعیت کا مواد شامل کیا جائے گا۔ مواد کی ترتیب کیا ہوگی، نتائج کیسے برآمد کیے جائیں یہ سب ابواب کی تفصیل میں لکھا جاتا ہے۔

کتابیات

خاکہ کے آخر میں ان کتابوں، رسائل و جرائد اور دیگر وسائل کی فہرست دی جاتی ہے جن سے ممکنہ طور پر مواد حاصل کیے جانے کا امکان ہو۔

ضمیمہ جات

کتابیات کے بعد ضمیمہ جات دیے جاتے ہیں جن میں تصاویر، فہرستیں، مختلف سرورق کی کاپیاں، سرٹیفکیٹ کی فوٹو کاپیاں وغیرہ شامل کی جاتی ہیں۔

مقالہ لکھنے کی تیاری

موضوع کے انتخاب اور خاکہ کی تیاری کا مرحلہ کامیابی کے ساتھ عبور کرنے کے ب
جب تحقیقی ماڈل کے خاکے کو متعلقہ بورڈ یا کمیٹی میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہاں سے خاکہ
پاس ہو جائے اور اس پر تحقیقی کام کرنے کی اجازت مل جائے تو پھر اسی خاکہ کو بنیاد بناتے
ہوئے اپنے سپروائزر کی نگرانی میں مقالہ لکھنے کا کام شروع کر دیا جاتا ہے۔

مواد کا حصول

شروع میں محقق کو چاہیے کہ وہ مصادر کی تلاش کرے۔ مختلف کتابوں، رسائل اور
اخبارات سے نوٹ لے۔ مواد جمع کرتے وقت مختلف لائبریریوں کو چھانے۔ اس کے علاوہ
جن شخصیات کا انٹرویو درکار ہو ان کا انٹرویو لے۔ مختلف کتابوں کے صفحات فوٹو کاپی کرا لے۔
کام کی چیز جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کر لے۔

مواد ملنے کے ساتھ ساتھ ہر باب کی الگ الگ فائل بنا لے۔ اور ہر باب سے متعلق
مواد اس کے لیے مختص کی گئی فائل میں جمع کرتا چلا جائے۔ بہتر یہی ہے کہ سب سے پہلے باب
اول کا کام شروع کیا جائے اور اسی باب کو مکمل کرنے کے لیے درکار مواد کی تلاش کا کام کیا
جائے، اسی تلاش کے دوران اگر کسی اور باب سے متعلقہ مواد مل جائے تو اسے بھی ہاتھ سے نہ
جانے دے بلکہ اسے اپنے پاس محفوظ کرتا چلا جائے، جیسے ہی اس باب کو لکھنے کا وقت آئے گا
یہ مواد اس وقت کام دے گا اور کام کو مکمل کرنے میں آسانی ہو گی۔

مواد کی چھانٹی

جب مواد جمع ہو جاتا ہے جو اس کی چھانٹی کی جاتی ہے، ظاہر ہے جو بھی مواد ملتا گیا اور
جیسا بھی ملتا گیا اسے جمع کر لیا گیا۔ اب تحقیقی سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور ادبی مفروضے
کو ثابت کرنے کے لیے اس کے حق میں یا مخالفت میں جو دلائل دیے جائیں گے ان دلائل کو س

...کے ساتھ مقالے کے متن میں پیش کیا جاتا ہے۔

اس پیش کش کے لیے ضروری ہے کہ تمام حاصل ہونے والے مواد کو جانچ پرکھ لیا
...انھیں تنقیدی اور تحقیقی اصولوں سے گزرنے کے بعد شامل متن کیا جائے۔

مواد کی ترتیب

جب مواد جمع ہونے کے بعد اس کی چھانٹی ہو جاتی ہے، کارآمد اور مستند مصادر سے
...حاصل کیا ہوا مواد الگ ہو جاتا ہے تو پھر ان حقائق کو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ ہر باب میں
...اپنی جگہ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

مقالہ لکھنے کا عمل

مقالہ لکھنا دراصل خاکے کے مطابق حقائق کو تلاش کر کے پیش کرنا ہوتا ہے۔ خاکے کے
مطابق مختلف ابواب کو باری باری لکھا جاتا ہے۔ مختلف موضوعات اور ذیلی موضوعات کے
مطابق حاصل شدہ مواد کو مختلف مصادر کی مدد سے حوالہ جات اور حواشی کو مدنظر رکھتے ہوئے
...زکاس پر لکھ دیا جاتا ہے۔

مقالہ لکھنے کے مختلف مراحل ہیں پہلے مرحلے کو تسوید کہا جاتا ہے، دوسرے مرحلے کو تسوید
ثانی کا نام دیا گیا ہے اور تیسرے مرحلے کو ہم تبییض کہتے ہیں۔

منطقی ربط

ابواب لکھتے وقت ان میں تسلسل اور منطقی ربط کا خیال رکھا جاتا ہے، تقریباً تمام ابواب کی
ضخامت اور حجم کو ایک جیسا رکھنا چاہیے یہ نہ ہو کہ ایک باب تو دس صفحات پر مبنی ہو اور دوسرا سو صفحات
پر پھیلا ہو۔ اس سے مقالے کی صحت پر اچھا اثر نہیں پڑے گا اور ممتحن پر بھی برا تاثر پڑے گا۔

اقتباسات کی دوبارہ قرأت

لکھی گئی عبارت اور دیے گئے حقائق کو غور سے دیکھنا، پروف پڑھنا، جملوں اور فقروں
کی صحت کا خیال رکھنا، پیراگراف اور حوالہ کے لیے دیے گئے اقتباسات کو چیک کرنا بہت
اہم ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے مقالہ میں مزید نکھار پیدا ہوگا۔

ضروری تبدیلیاں یا اضافے

بعض اوقات صرف جملوں اور فقروں کی تصحیح سے ہی کام نہیں چلتا بلکہ کچھ حصے دوبارہ
لکھنے پڑ جاتے ہیں۔ یہ سب تسوید کا حصہ ہیں۔ اس عمل سے مقالہ میں موجود سقم دور ہوتا جائے
گا۔ اور اس میں بنیادی رہنمائی کا کام خاکے ہی نے دینا ہے جو کہ آپ نے تحقیقی کام شروع
کرنے سے پہلے بنایا ہے۔

اقتباسات اور ان کے حوالے

تحقیقی مقالہ میں اپنا مؤقف پیش کرنے کے لیے دوسرے مصنفین یا نظریہ سازوں کے
جو اقتباسات متن میں شامل کیے گئے ہیں، انھیں واوین میں لکھنا چاہئے اور اس کے بعد جہاں
حوالہ ختم ہوتا ہے قوسین میں حوالے کا نمبر ڈالنا چاہئے۔ یہ اقتباس اصل متن سے دونوں طرف
تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر دیا جائے گا اور اس کا فانٹ سائز اصل متن کے فانٹ سے ایک یا دو پوائنٹ
کم ہوگا تا کہ اقتباس اور اصل متن کی الگ الگ شناخت ہو سکے۔ اور اگر کسی کے خیال یا بات
کو اپنی الفاظ میں تلخیص کر کے لکھا جائے تو اسے اصل متن ہی میں شامل کیا جاسکتا ہے مگر اس
کے بعد حوالے کا نمبر دینا ضروری ہے۔

تسوید کے بعد ان اقتباسات کو غور سے دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں ان میں کوئی سقم تو نہیں
اور باب کے آخر میں ان کا حوالہ اپنی جگہ یعنی اپنے نمبر پر موجود ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسی
غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے کہ متن میں جو حوالے کے اقتباسات دیے گئے ہیں، باب کے آخر
میں ان کا حوالہ غلطی سے دوسرے حوالے کے ساتھ تبدیل ہو گیا ہے۔ ایسا ہونا مقالہ کی صحت
و سند کو مشکوک بنا دے گا۔

حوالہ جات اور حواشی

حوالہ جات اور حواشی کو ایک ہی نمبر کی ترتیب کے ساتھ ہر صفحہ پر متن کے بعد لائن کے
نیچے یا باب کے آخر میں دیا جائے۔

پہلے جب کمپیوٹر نہیں تھا تو مقالہ ہاتھ سے لکھتے تھے اس وقت حوالہ جات اور حواشی کو اسی
صفحہ پر لائن لگا کر نیچے لکھ دیا جاتا تھا، مگر آج کل اسی صفحہ پر لکھنے کے بجائے ہر باب تمام حوالے

ب کے اختتام پر دے دیے جاتے ہیں۔ کیونکہ کمپیوٹر پر کمپوزر کے لیے صفحے کے نیچے حوالہ دینے سے کئی مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ حوالہ دیتے وقت ایک ہی اصول کو اپنایا جائے یہ نہ ہو کہ ایک حوالہ کسی طریقے سے دے دیا گیا اور دوسرا حوالہ کسی اور طریقے سے۔

زیادہ تر مواد ہو بہو نقل نہ کیا جائے بلکہ کوشش کی جائے کہ عبارت کا مفہوم اپنے لفظوں میں بیان کر دیا جائے اور عبارت کے بعد حوالے کا نمبر دے دیا جائے اگر حوالہ ہو بہو نقل کیا جا رہا ہے تو اسے واوین میں لکھا جائے اور اس پر حوالے کا نمبر ڈالا جائے، واوین میں دیے گئے حوالے کو متن کی عبارت سے جدا رکھنے کے لیے دونوں طرف مناسب جگہ (تقریباً ایک انچ تک) چھوڑیں اور اس کا فانٹ بھی اصل متن کے فانٹ سے دو نمبر کم رکھیں اور یہ زیادہ طویل نہ ہو بلکہ مختصر اقتباس کو حوالے کے طور پر شامل کریں۔

ابتدائی مسودہ

سب سے پہلے ابتدائی مسودہ تیار کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو تسوید کا نام دیا جاتا ہے۔ ابتدائی مسودے میں ہر کسی کی عبارت اور خیال کو شامل کیا جاسکتا ہے کوشش کی جائے کہ تھوڑے نہیں اور جتنا بھی ممکن ہو لکھتے چلے جائیں کیونکہ اس میں جتنا زیادہ مواد اکٹھا ہوگا وہ بعد میں کانٹ چھانٹ کر درست کیا جائے گا اور اگر ابتدا ہی میں مواد تھوڑا ہوگا تو اس سے مقالے کا حجم حسب ضرورت نہیں بن سکے گا۔

اگر کسی مقام پر خاکہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو وہ اپنے نگران مقالہ کی اجازت اور مشورے سے کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ خاکہ ایک قسم کا ڈھانچہ ہے جسے کسی نہ کسی حد تک جزوی طور پر تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

تسوید کا عمل ابتدائی عمل ہے جس میں مقالہ خام شکل میں تیار ہو جاتا ہے مگر اس کے دوسرے مرحلے میں زائد اور اضافی مواد کو حذف کرنے کی باری آتی ہے اور جہاں جہاں اضافہ درکار ہو وہاں مزید مواد تلاش کر کے اضافے کیے جاتے ہیں۔

پہلا مسودہ حتمی نہیں ہوتا بلکہ یہ مقالے کی ابتدائی شکل ہوتی ہے جو کہ مقالے کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ اب اس میں خامیوں دور کرنا، کمی کو پورا کرنا اور اغلاط کو درست کرنا، جملوں کی تصحیح کرنا، زائد مواد یا عبارت کی تنسیخ کرنا، حوالہ جات کی تصدیق کرنا وغیرہ وہ عمل ہے جو کہ

پہلا مسودہ ... کے بعد ہوتا ہے۔

پہلا مسودہ تیار ہونے کے بعد اس پر بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا جاتا ہے اور اسے حتمی شکل دینے کے لیے درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ عبارت پر نظر ثانی:

تحقیقی مقالے کو مسودہ کی شکل دے کر اسے اطمینان کے ساتھ پڑھا جائے اور اس کی عبارت پر نظر ثانی کی جائے۔

۲۔ اختصار:

مقالے کے متن کو پڑھتے ہوئے جملے دوبارہ دیکھے جائیں۔ کوشش کی جائے کہ جملے طویل نہ ہوں بلکہ جملوں میں اختصار ضروری ہے۔ اگر کوئی جملہ زیادہ طویل ہو گیا ہے تو اسے توڑ کر دو یا تین جملوں میں پیش کیا جائے۔

۳۔ مبالغے سے پرہیز:

مبالغہ آرائی اور تخیل آفرینی تحقیقی مقالے کے لیے مناسب خیال نہیں کی جاتی لہٰذا اس سے گریز کیا جائے۔ اگر دوبارہ مسودہ پڑھنے میں کوئی ایسی بات یا مبالغہ نظر آئے تو اسے نشان زد کر دیا جائے۔

۴۔ پروف ریڈنگ:

مقالے کی پروف ریڈنگ بہت ضروری ہے، بہت سے لفظ غلط یا ادھورے لکھے جاتے ہیں، یا کہیں جملہ نامکمل رہ جاتا ہے، ان باتوں کا خیال پروف ریڈنگ میں رکھا جائے اور ایسے سب جملوں یا لفظوں پر سوالیہ نشان لگا دیا جائے تاکہ درست کیے جا سکیں۔

۵۔ درست املا:

جہاں جہاں لفظوں کا غلط املا لکھا گیا ہے اسے درست کر لیا جائے۔ جو لفظ جس طرح زبان میں رائج ہے اسی طرح لکھا جائے اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی یا اختراع نہ کی جائے۔ بالخصوص پرانی کتابوں کے حوالے دیتے وقت وہی املا لکھا جائے جو کہ کتاب میں موجود ہے۔

۶۔ اشعار کے وزن کی درستی:

مقالہ میں شامل اشعار کے بارے میں حتمی طور پر دیکھ لیں کہ اشعار کا وزن درست ہے اور کیا یہ شعر اُسی طرح لکھا گیا ہے جیسا کہ شاعر کے دیوان یا شعری مجموعے میں موجود ہے۔ اگر محقق کو وزن یا بحر پر مکمل عبور نہ ہو تو اس حوالے سے کسی ماہر سے مدد لے سکتا ہے۔

۷۔زائد مواد کی تنسیخ:

مقالہ لکھتے وقت بہت سا مواد ایسا بھی مقالے میں شامل ہو جاتا ہے جو کہ ضروری نہیں ہوتا۔ نظرِ ثانی میں جو مواد زائد نظر آئے اسے سرخ قلم سے منسوخ کرتا چلا جائے۔

۸۔نئے مواد کی شمولیت:

مقالہ نگار جہاں یہ محسوس کرے کہ یہاں اُسے اپنے مؤقف کو مضبوط انداز میں پیش کرنے کے لیے مزید مواد یا حوالوں کی ضرورت ہے تو مزید مواد کو شامل کرنے کے لیے نشان لگائے اور سامنے صاف کاغذ پر ان حوالہ جات یا اقتباسات کو لکھ دے جو کہ شامل کرنے ہیں۔

۹۔فہرست:

مقالہ نگار کو چاہیے کہ وہ ہر باب کی الگ الگ فہرست بنائے تا کہ مواد کی جانچ پڑتال میں آسانی ہو۔

۱۰۔نتائج:

تحقیقی مقالہ میں نتائج پر دوبارہ توجہ دی جائے کیونکہ یہی مقالہ کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ نتائج میں کوتاہی یا کمی نہیں ہونی چاہیے، اگر ہے تو اس کمی کو دور کیا جائے اور پورے تحقیقی استدلال کے ساتھ نتائج کو مرتب کیا جائے۔

۱۱۔سفارشات:

مقالہ میں محقق سفارشات تجویز کرتے وقت اپنے تحقیقی مؤقف کا خیال رکھے اور یہ ضرور دیکھے کہ یہ سفارشات اس کے مقالہ کے عین مطابق ہیں یا نہیں۔

۱۲۔تنقیدی نظر:

مسودے کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہوئے جہاں جہاں کمزوری نظر آئے یا ابہام پیدا ہو رہا ہو مقالہ نگار سوالیہ نشان لگاتا جائے تا کہ بعد میں ان مقامات کی تصحیح کر لی جائے۔

تحقیقی اسلوب

مقالے کا اسلوب دیکھا جائے کہ تحقیقی ہے یا نہیں اگر کسی جگہ کوئی انشاپردازی یا شعری انداز تحریر آگیا ہے تو اس پر نشان لگایا جائے کہ تبدیل کرنا ہے۔ انشا پردازی اور شاعرانہ زبان تحقیقی مقالے کے لیے درست نہیں ہے۔

مبیضہ تیار کرنا

مسودہ میں اصلاح وترمیم کے بعد مبیضہ پیش کیا جاتا ہے۔ مسودہ میں حتمی مسودہ تیار ہونے تک مختلف تبدیلیاں اور ردو بدل کی جاسکتی ہے۔

مقالہ کی تکمیل

مقالہ تکمیل کے مراحل میں پہنچتا ہے تو اس کو مکمل کرنے کے بعد درج ذیل باتوں کو دیکھ لیا جائے:

۱۔ پہلا صفحہ سرورق ہوتا ہے جس پر موضوع اور مقالہ نگار کا نام لکھا جاتا ہے۔اس پر یونیورسٹی کا مونوگرام بھی دیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا صفحہ بھی سرورق ہی کا ہوتا ہے مگر اس میں مقالہ نگار کے علاوہ نگران کا نام بھی لکھا جاتا ہے۔

۳۔ تیسرا صفحہ حلف نامہ ہوتا ہے جس میں مقالہ نگار حلف دیتا ہے کہ اس مقالہ میں اُس نے سرقہ سے کام نہیں لیا۔

۴۔ چوتھا صفحہ نگران کی طرف سے تصدیق نامہ ہوتا ہے جس میں وہ اس مقالہ کے معیاری ہونے کا اعلان کرتا ہے اور کنٹرولر کو مزید کارروائی اور زبانی امتحان کے لیے سفارش کرتا ہے۔

۵۔ اس کے بعد فہرست ہوتی ہے۔

۶۔ فہرست کے بعد مقالہ نگار کا لکھا ہوا پیش لفظ ہوتا ہے۔جس میں مقالہ کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہے۔جن لوگوں نے تحقیقی مراحل میں اس کی مدد کی اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

۷۔ پیش لفظ کے بعد اصل مقالہ شروع ہوتا ہے جو کہ مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہوتا ہے۔ یہ ابواب بندی موضوع کی مناسبت سے ہر مقالہ کے لیے الگ الگ انداز میں ترتیب دی جاتی ہے۔ باب میں دیے گئے حوالے کے اقتباسات، احادیث، قرآنی آیات اور اشعار کے مکمل حوالہ جات یا حواشی وتعلیقات باب کے آخر میں حواشی و حوالہ جات کے عنوان سے دیے جاتے ہیں۔

۸۔ ابواب کے اختتام پر نتائج وسفارشات دی جاتی ہیں اور آخر میں ماحصل کے عنوان سے تمام مقالے کا نچوڑ پیش کیا جاتا ہے۔ اسے مجموعی جائزہ بھی کہا جاتا ہے۔

۹۔ ماحصل کے بعد کتابیات دی جاتی ہے جس میں بنیادی ماخذات، ثانوی ماخذات، کتب، رسائل وجرائد، اخبارات، لغات، انسائیکلو پیڈیا، مطبوعہ وغیر مطبوعہ مقالات اور ان ویب سائٹس کا اندرا کیا جاتا ہے جن سے دوران تحقیق مقالہ نگار نے استفادہ کیا ہے اور وہ حوالہ جات میں بھی موجود ہیں۔

کتابیات کے بعد ضمیمہ جات، اشاریے وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔

ضمیمہ جات میں مختلف تصاویر، نقشے، کتابوں کے ٹائٹل، اسناد اور مختلف قسم کے سرٹیفکیٹ کی نقول وغیرہ شامل کی جاسکتی ہیں۔ یا کوئی اور شے جو کہ مقالہ سے متعلق ہو اور مزید معلومات میں اضافہ کرتی ہو۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اکمل، آزادی سے قبل اردو تحقیق، نئی دہلی، ایم آر پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۲۸
۲۔ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری، ص ۷۹-۲۷
۳۔ محمد اکمل، ڈاکٹر، آزادی سے قبل اردو تحقیق، ص ۲۸
۴۔ گیان چند، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء، ص ۲۷

سروے

سروے (Survey) تحقیق کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں مختلف سوالات کے ذریعے مختلف طبقات کے لوگوں سے معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں۔ سروے کی نوعیت تکنیکی ہوتی ہے اور اس میں عملی کام کیا جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ متعلقہ لوگوں تک پہنچ کر اپنا مواد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سروے کا بنیادی مفہوم کسی تحقیقی مسئلے کے حوالے سے دونوں رخ کو سامنے لانا ہوتا ہے۔

سروے کے ذریعے سوالات کا سلسلہ شروع کر کے لوگوں کے بیانات اکٹھے کیے جاتے ہیں اور اپنے تحقیقی موضوع کے حوالے سے مختلف افراد، گروہ یا معاشرتی وعوامی نمائندوں سے ان کے بیانات حاصل کر کے ماضی یا موجودہ صورت حال کے بارے میں مستند معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

سروے دراصل کسی معاشرتے یا کسی طبقے میں موجود ایک سے زیادہ افراد یا گروہوں کا کسی خاص حوالے یا پہلو سے تحقیقی مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔

اس تحقیقی مطالعہ کے نتائج محقق کو اپنے موضوع کے حوالے سے مواد اکٹھا کرنے اور نتائج وسفارشات مرتب کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

سروے میں عموماً کسی ایک طبقے کے افراد یا کسی معاشرتی گروہ یا کثیر معاشرتی گروہ کو لے کر اس سے سوالات کیے جاتے ہیں جو کہ سوال نامے کے ذریعے بھی ہو سکتے ہیں اور بالمشافہ ملاقات کے ذریعے بھی اور انٹرویو کے ذریعے بھی۔

سروے کے ذریعے محقق دراصل معاشرے میں اپنے موضوع کی مناسبت سے مختلف

تغیرات یا تبدیلیوں کا جائزہ لیتا ہے۔

سروے تحقیق میں سب سے پہلے تو دائرۂ تحقیق کا انتخاب کیا جاتا ہے پھر طریق کار کو سامنے رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد تحقیقی نتائج کے لیے علاقے کا تعین کیا جاتا ہے جس میں سروے کیا جائے، یا جن لوگوں سے سروے کیا جائے۔

سروے کی خصوصیات:

سروے کسی بھی موضوع پر کئی حوالوں سے روشنی ڈالتا ہے۔ سروے میں کام زیادہ طویل اور وقت طلب نہیں ہوتا۔

اس میں مختلف حوالوں سے جو معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں ان کا مطالعہ تحقیقی موضوع کو حل کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

سروے بیانیہ بھی ہو سکتا ہے اور تشریحی بھی، معلوماتی بھی ہو سکتا ہے۔ سروے مختلف افراد کی مختلف آراء پر بھی مبنی ہو سکتا ہے۔

سروے کے لیے کوئی قید نہیں کہ اس کی ضخامت یا حجم کتنا ہو۔ سروے مختصر بھی ہو سکتا ہے اور طویل بھی، اس کا انحصار تحقیقی سوالات پر ہے جن کا جواب لینا مقصود ہے۔

سروے دراصل بیانات کا ایک ایسا نمونہ ہوتا ہے جس کی مدد سے دوسرے لوگوں کی مدد سے حقائق کو کھنگالنے اور صداقت تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی جاتی ہے۔

سروے میں ضروری نہیں کہ سارے سوالات مطلوبہ معیار پر پورا اترتے ہوں مگر اس کی یہ خصوصیت ضرور ہے کہ اس کی مدد سے ایک رپورٹ مرتب کر کے مجموعی جائزہ لیا جا سکتا ہے اور تحقیقی نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

انٹرویو

انٹرویو بالمشافہ ملاقات یا کسی سے مل کر اس سے باضابطہ گفتگو کرنے کو کہتے ہیں۔ جس کے دوران کچھ سوالات جاتے ہیں اور ان کے جوابات بھی حاصل کیے جاتے ہیں۔
انٹرویو ایک ایسی ملاقات کا نام ہے جس میں انٹرویو لینے والا ایک واضح مقصد کے تحت آتا ہے اور انٹرویو دینے والا بعض اوقات اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس سے کس قسم کے سوالات کیے جائیں گے، بعض اوقات انٹرویو لینے والے کو جوابات لکھ کر ارسال کر دیے جاتے ہیں تاکہ وہ ذہنی طور پر سوالات کا جواب دینے کے لیے تیار ہو اور اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

ڈاکٹر عطش درانی انٹرویو کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''انٹرویو یا مصاحبہ کوائف جمع کرنے کا ایک زبانی طریقہ کار ہے۔ اس کے ذریعے بھی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ انٹرویو یا مصاحبہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے آدمی کے خیالات ،نظریات اور عقائد کو سمجھنے کے لیے مؤثر طور پر ساری اطلاعات حاصل کی جاسکتی ہیں۔''(۱)

ادب، تحقیق اور صحافت میں انٹریو کی اپنی جگہ اہمیت مسلم ہے۔ صحافتی زبان میں انٹرویو کو اخباری ملاقات کا نام دیا جاسکتا ہے جس کا مقصد انٹرویو کے ذریعے اخبار کے لیے خبروں کا حصول ہے۔ بقول ڈاکٹر عبدالسلام خورشید:

> ''انٹرویو باضابطہ ملاقات کو کہتے ہیں ۔اخباری اصطلاح میں

اس سے ہر وہ ملاقات مراد ہے جو خواہ بالمشافہ ہو یا ٹیلی فون پر لیکن
جس کا مقصد یہ ہو کہ اخبار نویس حقائق یا آراء معلوم کرے۔''(۲)

تحقیق میں انٹرویو کی بہت اہمیت ہے۔ مواد کے حصول کے لیے قدم قدم پر مختلف شخصیات کے انٹرویو کی ضرورت پڑتی ہے۔ انٹرویو سے ایک محقق کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اسے کون کون سے نفسیاتی طریقے اپناتے ہوئے لوگوں سے اپنے مطلب کی باتیں اگلوانی ہیں۔ سب سے پہلے تو اسے اس بات کا تعین کرنا ہوتا ہے کہ اسے آخر کس کس کا انٹرویو لینا چاہئے، کہاں کہاں سے اسے اس کا مطلوبہ مواد مل سکتا ہے۔

غلط آدمی سے انٹرویو کرنا وقت کا ضیاع ہے۔ اس لیے درست آدمی کا انتخاب کرنا انٹرویو لینے والی کی سب سے پہلی کامیابی ہوتی ہے۔

انٹرویو کی اقسام

انٹرویو ایک وسیع دائرہ کار رکھتا ہے، جتنی سوچیں ہیں اتنے ہی سوالات، کسی ایک موضوع پر مختلف انداز میں ہزاروں سوالات کیے جاسکتے ہیں اور کسی ایک ہی موضوع پر مختلف انٹرویو لینے والے مختلف انداز کا انٹرویو لے سکتے ہیں۔

انٹرویو ایک حوالے کی چیز ہے ایک ایسا بیانیہ ہے جسے کسی کی شخصیت، اس کے خیالات اور نظریات کی آگاہی کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اپنی متنوع جہتوں کی وجہ سے یہ کئی اقسام رکھتا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

فوری انٹرویو

اس قسم کا انٹرویو فوری طور پر معلومات حاصل کرنے کے لیے لیا جاتا ہے، اس کے لیے باقاعدہ کوئی سوالات تیار نہیں کیے جاتے بلکہ مختلف لوگوں سے فرداً فرداً سوالات کیے جاتے ہیں اور کسی خاص مسئلے کے بارے میں ان کی رائے کو جمع کیا جاتا ہے۔ پھر ان جمع شدہ

معلومات کی بنیاد پر تحقیقی سوالات کے جوابات تیار کیے جاتے ہیں۔

ادبی انٹرویو

ادبی انٹرویو میں ادبی شخصیات کا انٹرویو لیا جاتا ہے یا مختلف لوگوں سے ادب کے بارے
میں بات کی جاتی ہے۔ اس قسم کا انٹرویو دستاویزی اہمیت کا ہوتا ہے جسے بہت پسند کیا جاتا
ہے، خاص طور پر ادب سے تعلق رکھنے والا طبقہ اس قسم کے انٹرویو کو حوالے کے طور پر اپنے
مضامین ومقالات میں استعمال کرتا ہے۔

مختلف اخبارات میں ڈاکٹر وزیر آغا، ادا جعفری، مستنصر حسین تارڑ، ڈاکٹر محمد علی صدیقی،
شہزاد احمد، جمیل الدین عالی، ڈاکٹر وحید قریشی، صہبا لکھنوی، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر انور سدید،
انتظار حسین، کشور ناہید، مستنصر حسین تارڑ، ڈاکٹر وحید قریشی، ادا جعفری، شبنم شکیل، منیر نیازی
وغیرہ کے انٹرویو شائع ہو چکے ہیں جو کہ معلوماتی اور دستاویزی حوالے سے انتہائی اہمیت کے
حامل ہیں۔

اسی طرح اگر محقق کسی شخصیت پر تحقیقی کام کر رہا ہے تو سب سے پہلے تو اسے اس مطلوبہ
شخصیت کا انٹرویو کرنا چاہیے تاکہ اس کے خیالات سے آگاہی ہو اور تحقیق کے بہت سے تشنہ
اور جواب طلب پہلوؤں کے حوالے سے صحیح طور پر معلومات اکٹھی کی جا سکیں۔ کیونکہ بہت سی
ایسی معلومات جو کہ نہ اخبارات، رسائل اور کتب میں ہوتی ہیں وہ اس شخصیت کے حافظے میں
ضرور ہوں گی، ان مباحث کو منطقی انجام تک پہنچانے میں اس شخصیت کا انٹرویو اور اس کے
سوالات بہت کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

معلوماتی انٹرویو

معلوماتی انٹرویو ایک ایسا معلوماتی خزانہ ہوتا ہے جس میں محققین کے لیے دلچسپی کا عنصر
شامل ہوتا ہے۔ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے، مطلوبہ تحقیقی موضوع سے تعلق رکھنے والے
افراد سے انٹرویو کر کے ان سے موضوع کے حوالے سے معلومات اکٹھی کرنا تحقیقی عمل میں
بہت سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ ان افراد کے تاثرات اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ ان

تجربات سے تحقیقی موضوع کی تکمیل میں بہتر مدد لی جاسکتی ہے۔

شخصیتی انٹرویو

اس میں اُس شخصیت کے بارے میں اس کی سوانح اور شخصیت کے خدو خال پیش کیے جاتے ہیں جنھیں عوام جانتی ہے، یا جن میں لوگوں کو دلچسپی ہوتی ہے۔اس میں شخصیت کے روزمرہ معاملات، رہن سہن، بول چال، رسوم ورواج،، اس کے مشغلے، کھیل، شوق غرض ہر قسم کی باتیں زیر بحث لاکر سوالات کے جوابات لیے جاتے ہیں۔
شخصیتی انٹرویو اس شخصیت کا لیا جاتا ہے جو کہ کسی بھی میدان میں نمایاں حیثیت کی حامل ہو۔شروع میں اس شخصیت کے خاندانی پس منظر، اس کی سوانح اور اس کے کارناموں کو اجاگر کیا جاتا ہے پھر اس کی شخصیت اور کارناموں کے حوالے سے مختلف زاویوں سے سوالات کیے جاتے ہیں۔اس قسم کے انٹرویو میں شخصیت کے وہ پہلو سامنے لائے جاتے ہیں جن کے بارے میں مواد کتب ورسائل سے دستیاب نہیں ہوتا۔

مذاکراتی انٹرویو

اس قسم کے انٹرویو میں کئی لوگ شامل ہوتے ہیں اور وہ کسی ایک موضوع، مسئلہ یا نظریہ پر بات کرتے ہیں، ایک آدمی سوالات کرتا جاتا ہے اور باری باری سب لوگ ان کے جوابات دیتے جاتے ہیں۔بعض اوقات ایک ہی مسئلے کے حوالے سے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے سوالات کیے جاتے ہیں۔اس قسم کے انٹرویو کے نتائج مثبت نکلتے ہیں۔
مذاکراتی انٹرویو میں مباحث کی وجہ سے معلومات کی کئی جہتیں سامنے آتی ہیں جو کہ تحقیقی موضوع کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

انٹرویو لینے والے کی ذمہ داریاں

تحقیق میں ہر بات ناپ تول کر دلیل کے ساتھ کی جاتی ہے۔ کسی بھی موضوع
حوالے سے کسی سے انٹرویو کرنے کے اپنے تقاضے ہیں جو کہ ایک ذمہ دار محقق
تحقیقی موضوع کے حوالے سے انٹرویو لینے والے کی درج ذیل ذمہ داریاں بنتی ہیں
امور کا خیال رکھنا ہوتا ہے جن کا ذکر درج ذیل ہے۔

تربیت یافتہ

انٹرویو لینے والا تربیت یافتہ ہونا چاہئے، اسے اس بات کا پتہ ہو کہ اس نے کس
موضوع کے حوالے سے کون کون سے سوالات کس وقت کرنے ہیں اور کیا کیا معلومات
ہیں۔ اگر انٹرویو لینے والا تربیت یافتہ نہیں ہوگا تو اسے معلوم نہیں ہوگا کہ کب اور کہاں
سوال کرنا ہے، اور کسی سوال کا جواب کیسے لینا ہے؟

ماحول کی مناسبت

انٹرویو لینے والا ماحول کی مناسبت سے سوال کرے۔ کوئی ایسا سوال نہ کرے، جس
ماحول خراب ہو جائے یا انٹرویو دینے والے کا مزاج برہم ہو جائے۔ یا کسی بات پر وہ
میں آجائے۔

معلومات کو محفوظ کرنا

انٹرویو لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ انٹرویو لینے جائے تو اپنے ساتھ کوئی
ریکارڈر لے جائے، یا کاغذ قلم ہو جس سے فوری طور پر جوابات تحریر کرتا رہے۔ کوشش کی
کہ انٹرویو کو محفوظ کر لیا جائے۔

اختلافی سوالات سے گریز

انٹرویو لینے والے کو چاہئے کہ وہ اختلافی سوالات سے گریز کرے۔ کوئی ایسی

سوال نہ کرے جس سے کسی قسم کی رنجش پیدا ہو۔

نصیحت اور مشورہ سے گریز

انٹرویو لینے والے کا کام صرف معلومات اکٹھا کرنا ہے، اسے کسی قسم کے وعظ، نصیحت یا مشورہ دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مناسب برتاؤ

انٹرویو لینے والا، انٹرویو دینے والے کے ساتھ مناسب برتاؤ کرے۔ نہ تو اتنا میٹھا بن جائے کہ اس کی خوشامد پر اتر آئے اور نہ ہی اتنا کڑوا کہ اس کے ساتھ کرخت لہجے میں بات کرے۔ بلکہ اپنا رویہ مناسب رکھے اور مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے سوالات کا سلسلہ جاری رکھے۔

انٹرویو دینے والے کو اہمیت دینا

انٹرویو کے وقت اس کے لیے سب سے اہم کام انٹرویو اور سب سے اہم شخصیت وہ ہونی چاہیے جس کا وہ انٹرویو لے رہا ہے۔ اگر ایسا کرے گا تو انٹرویو خوشگوار ماحول میں مکمل ہو جائے گا اور اسے مطلوبہ نتائج بھی مل جائیں گے۔

زبردستی سے گریز

کسی بھی سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے یا اپنے مطلب کا جواب لینے کے لیے زبردستی نہ کرے نہ کسی قسم کے دباؤ سے کام لے۔ اگر مطلوبہ شخص اُس وقت انٹرویو دینے پر آمادہ نہیں تو زیادہ اصرار نہ کیا جائے بلکہ اس سے انٹرویو کے لیے کوئی اور وقت لے لیا جائے۔

انٹرویو کے مقصد سے آگاہی

انٹرویو دینے والے کو اس انٹرویو کی اہمیت سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اطمینان اور خوشی خوشی انٹریو کے دوران پوچھے گئے سوالات کا جواب دے سکے۔

کم سے کم دورانیہ میں سوالات کو مکمل کرنا

ہر شخص مصروف ہوتا ہے، کسی کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لیے انٹرویو لینے والے کی بھی کوشش ہونی چاہیے کہ جس سے انٹرویو لیا جا رہا ہے اس کا زیادہ وقت نہ لے بلکہ کم سے کم وقت میں اپنے سوالات کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر انٹریو دینے والے

نے کوئی وقت کی حد رکھی ہے تو اسی حد کے اندر اسے اپنے تمام سوالات مکمل کر لینے چاہئیں۔

انٹرویو میں منطقی ترتیب

انٹرویو ایک ترتیب کے ساتھ لیا جائے۔ انٹرویو سے پہلے سوالوں کو منطقی ترتیب دیتے ہوئے وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کون سے سوال پہلے پوچھنے ہیں اور کون سے بعد میں یا آخر میں۔

اگر عین موقع پر کوئی سوال ذہن میں آجائے تو وہ بھی انٹرویو میں شامل کر لینا چاہیے۔

خیالات کے اظہار کی آزادی

انٹرویو دراصل تحقیقی موضوع کے حوالے سے ایسی معلومات پر مبنی ہوتا ہے جو کہ محقق کے لیے نئی ہوتی ہیں اس لیے انٹرویو لیتے وقت سوال کرنے کے بعد خاموشی سے جواب کو سنا جائے جہاں جواب تشنہ ہو وہاں وضاحت کے لیے مزید پوچھا جاسکتا ہے مگر بے جا مداخلت مناسب نہیں۔ انٹرویو دینے والے کو آزادی سے اپنی بات کرنے دی جائے۔ انٹرویو لینے والا اسے مجبور نہ کرے کہ وہ کسی سوال کا جواب وہ دے جو وہ دینا نہ چاہتا ہو۔

غیر جانبدار رہے

انٹرویو لینے والے کو چاہیے کہ دوران انٹرویو اپنی سوچ یا نظریے کو انٹرویو پر غالب نہ آنے دے بلکہ غیر جانبدارانہ انداز میں انٹرویو کے لیے سوالات کرے۔

انٹرویو لینے کا طریق کار اور تقاضے

۱۔ انٹرویو ایک اہم دستاویز ہوتا ہے جسے تحقیق میں استعمال کر کے بہت سے تشنہ پہلوؤں کے جواب حاصل کیے جاتے ہیں۔ اور عموماً یہ ان شخصیات سے لیا جاتا ہے جو اہمیت کی حامل ہوتی ہیں یا معاشرے میں معروف و مقبول ہوتی ہیں اور جن کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے زیر تحقیق کام سے ہوتا ہے۔ اس لیے انٹرویو لیتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال ضروری ہے:

۲۔ انٹرویو کے لیے جانے سے پہلے کچھ سوالات تیار کر لے تا کہ سوالات کے لیے اس کے پاس پہلے سے خام مواد موجود ہو۔ اس کے بعد مختلف سوالات جو ضمنی طور پر سامنے آئیں انھیں بھی جگہ دی جائے۔ احمد نسیم سندیلوی انٹرویو کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "انٹرویو کس طرح کیا جائے؟ مختلف لوگوں سے رابطہ کیسے قائم کیا جائے؟ معلومات کیسے حاصل کی جائیں؟ معلومات کی صحت کا اندازہ کیسے کیا جائے؟ اس کے لیے پہلے سے کچھ تیاری کی جاتی ہے اور کچھ سوالات خود سے کیے جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:
>
> ۱۔ کیوں (Why)؟ ۲۔ کون (Who)؟، ۳۔ کہاں (Where)؟،
>
> ۴۔ کیسے (How)؟، ۵۔ کب (When)؟، ۶۔ کیا (What)؟

اگر ممکن ہو تو انٹرویو دینے والے کے بارے میں پہلے سے کچھ معلومات اکٹھی کر لیں جن سے انٹرویو لینے والے کو مدد ملے گی کہ کس قسم کے سوالات کرنے چاہئیں۔

۱۔ انٹرویو کے لیے پہلے سے وقت لیا جائے۔

۲۔ وقت مقررہ پر انٹرویو لینے کے لیے پہنچا جائے۔ تاخیر اس میں خرابی کا باعث ہو سکتی

۳۔ سب سے پہلے انٹرویو کرنے والے کو چاہئے کہ وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہو اور گرمجوشی سے سلام کرے۔

۴۔ سلام کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں اپنا تعارف کرائے۔

۵۔ اپنے انٹرویو کا مقصد بیان کرے اور یہ واضح کردے کہ اس انٹرویو سے انٹرویو دینے والی شخصیت کی عزت اور شہرت اور اہمیت میں اضافہ ہوگا۔

۶۔ انٹرویو دینے والے کو بتا دیا جائے کہ یہ انٹرویو عوامی سطح پر بھی پیش کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ محتاط ہو کر انٹرویو دے۔

۷۔ کوشش کی جائے کہ انٹرویو تنہائی میں لیا جائے تاکہ کسی قسم کی مداخلت کا خطرہ نہ ہو اور اطمینان سے سوال وجواب کا سیشن مکمل ہو جائے۔

۸۔ ذاتی معاملات اور کردار کے حوالے سے سوالات نہ ہی کیے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

۹۔ متنازع پہلوؤں کو نہ چھیڑا جائے۔ اگر متنازع پہلو کو زیر بحث لایا بھی جائے تو اس انداز میں کہ انٹرویو دینے والا بدک نہ جائے یا وہ ایسا نہ محسوس کرے کہ کہ اس کی رائے کو کسی موقع پر اس کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ انٹرویو شروع کرنے سے پہلے سوالات کرنے کی اجازت لے لی جائے۔

۱۱۔ انٹرویو کے سوالات میں منطقی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۱۲۔ اگر کوئی بات آف دی ریکارڈ ہو تو اسے انٹرویو میں شامل نہیں کیا جانا چاہئے۔ بلکہ اسے انٹرویو سے اسی وقت خارج کر دیا جائے۔

۱۳۔ انٹرویو دینے والے کو پہلے نفسیاتی طور پر اس بات پر آمادہ ضرور کریں کہ اس سے جو سوالات پوچھے جائیں گے ان سوالات میں نیک نیتی شامل ہوگی۔

۱۴۔ انٹرویو دینے والے کو یقین دہانی کرائی جائے کہ کوئی بات یا سوال بددیانتی سے نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی سوال کو توڑ موڑ کر پیش کیا جائے گا۔

۱۵۔ انٹرویو کو من وعن پیش کیا جائے گا، انٹرویو لینے والا اس میں مبالغہ آرائی اور رنگ

جلدی سے ہرگز کام نہیں لے گا۔

۱۶۔ انٹرویو لینے وقت، دورانیے اور وقت کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ بروقت آپ انٹرویو مکمل کر سکیں۔ گفتگو کو بلاوجہ طول نہ دیا جائے۔ بلکہ انٹرویو دینے والے کا کم سے کم وقت لیا جائے

۱۷۔ غیر ضروری اور موضوع سے ہٹ کر سوالات نہ پوچھے جائیں۔

۱۸۔ اگر بعد میں کسی بات میں یا سوال میں شک ہو یا ابہام ہو تو ایک بار رابطہ کر کے انٹرویو دینے والے سے کلیر کرنا ضروری ہے۔

۱۹۔ انٹرویو لینے والا گفتگو کا رخ پھیرنے کا ماہر ہو، اسے معلوم ہو کہ کس وقت اس نے کون سا سوال کرنا ہے، کسی اہم سوال کا جواب کس انداز سے لیتا ہے اور اس اہم سوال کی جزئیات جاننے کے لیے اور کون کون سے سوالات پوچھنا ضروری ہیں۔

۲۰۔ اگر انٹریو کے سوالات وجوابات کو کاغذ پر لکھا گیا ہے کوشش کی جائے انٹرویو دینے والے سے اس انٹریو پر دستخط بھی لے لیے جائیں۔تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں۔

اگر درج بالا ہدایات کو سامنے رکھا جائے تو تحقیقی موضوع پر کسی بھی حوالے یا پہلو سے ایک اچھا انٹرویو کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیات تحقیق، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۸

۲۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، فن صحافت، لاہور مکتبہ کارواں، ص ۸۷

۳۔ احمد ندیم سندیلوی، خبر نگاری، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص ۱۵۰

سوالنامہ

(Questionnaire)

سوال نامہ تحقیق میں مختلف معلومات کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ سوالنامے سے جو مواد حاصل ہوتا ہے وہ اہم بھی ہوتا ہے اور متنوع بھی، کیونکہ ایک ہی سوال کے جب مختلف جوابات ملتے ہیں اور پھر ان جوابات میں سے کسی ایک جواب کو اہمیت کے اعتبار سے تحقیقی مراحل سے گزار کر درست مانا جاتا ہے تو یہ ایک دلچسپ صورت حال بن جاتی ہے۔

تحقیق میں معلومات حاصل کرنے کے لیے زیادہ تر سوالنامہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی مدد سے کافی کچھ مواد حاصل ہو جاتا ہے اور یہ مواد تازہ بھی ہوتا ہے اور بھی۔ سوالنامے کی مدد سے کم وقت میں زیادہ تعداد میں لوگوں سے معلومات اور تحقیق کے لیے مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ معلومات حاصل کرنے کا یہ ایک مفید ذیعہ ہے۔

سوالنامے کی مدد سے ہم ان لوگوں سے بھی معلومات حاصل کرسکتے ہیں جو دور بیٹھے ہوتے ہیں۔ یا جنھیں ہم کبھی ملے نہیں ہوتے مگر ہمیں کسی ذریعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص ہمارے تحقیقی موضوع کے حوالے سے مفید معلومات فراہم کرسکتا ہے۔ ان سے ہم ٹیلی فون، انٹرنیٹ، ای میل، فیس بک میسنجر وغیرہ کی مدد سے سوال وجواب کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ یا انھیں تفصیلی خط بھی لکھا جاسکتا ہے جس میں سوالنامہ بھی شامل ہو۔

تحقیقی طریق کار میں انٹرویو کم اہمیت کا حامل نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا آلہ تحقیق ہے جس سے لوگوں کا باطنی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

سوالنامے کی تیاری:

سوالنامہ تحقیق کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد پر انٹرویو لینے والا اپنے تحقیقی نتائج کو مرتب کرتا ہے اس لیے سوالنامہ بناتے وقت اس کی تیاری میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے:

۱۔ سوالنامے میں واضح انداز میں بات پوچھی جائے اور جس قدر بھی سوالات تحریر کیے جائیں ان کا تعلق براہ راست تحقیق سے ہونا چاہیے۔

۲۔ سوالنامے صاف، سلیس اور شستہ زبان میں لکھے جائیں۔

۳۔ سوالنامے میں سوالات مختصر ہونے چاہئیں۔

۴۔ تمام سوالات سوچ سمجھ کر تیار کیے جائیں اور ان کی تیاری میں انسانی رویے، نفسیاتی اصولوں اور تقاضوں کو سامنے رکھا جائے۔

۵۔ سوالات خشک اور الجھے ہوئے ہونے کے بجائے اگر دلچسپ ہوں تو زیادہ خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

۶۔ سوالنامے خوشخط تحریر کیے جائیں۔ تا کہ پڑھنے والا آسانی سے پڑھ سکے۔

۷۔ سوالنامے بھیجتے وقت اس بات کی یقین دہانی کر لی جائے کہ اس کی واپسی کا کیا طریقہ ہوگا۔ اگر دور کسی علاقے میں بذریعہ ڈاک بھیجنا ہے تو ایک جوابی لفافے پر واپسی کا پتہ لکھ کر ٹکٹ بھی لگا دیا جائے تا کہ جواب دینے والا مالی بوجھ نہ سمجھے۔

۸۔ سوالنامے کے ساتھ ایک خط بھی تحریر کر دیا جائے جس میں اس سوالنامے کی تدوین کی وجہ بیان کی جائے اور اس کی اہمیت کو واضح کیا جائے۔

۹۔ سوالنامہ اچھے کاغذ پر واضح روشنائی سے تحریر کیا جائے۔ تا کہ اس کی کوالٹی عمدہ ہو اور کوئی سوال مبہم نہ رہے۔

سوالات کی ترتیب:

سوالنامے میں سوالات کو ایک منطقی ترتیب سے لکھا جائے، سوالات بے ترتیب اور غیر منطقی نہ ہوں کیونکہ ان سے جواب دینے والے کو الجھن ہو سکتی ہے، محقق کو بھی مواد ملنے کے

بعد اسے دوبارہ سے ترتیب دینے میں وقت لگے گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ سوالات کو پہلے ہی میں اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ اُس سے کوئی الجھاؤ پیدا نہ ہو۔

ادبی تحقیق میں کسی شخصیت یا صنف ادب کے حوالے سے سوالنامے تیار کیے جا سکتے ہیں۔ شخصیت کے حوالے سے سوالنامہ تیار کرتے وقت درج ذیل ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

۱۔ شروع میں آسان سوالات پوچھے جائیں، مصنف کی پیدائش اور اس کے خاندانی پس منظر کے بارے میں سوالات لکھے جائیں۔

۲۔ ابتدائی تعلیم، حالات زندگی، گھریلو ماحول کے بارے میں سوالات ہونے چاہئیں۔

۳۔ شخصیت کی سیرت، کردار اور اخلاق کے حوالے سے سوالات ہوں۔

۴۔ ملازمت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے سوالات لکھے جائیں۔ اس حوالے سے پہلی ملازمت سے آخری ملازمت تک ترتیب سے سوالات وضع کیے جائیں۔

۵۔ دوران ملازمت درپیش مسائل اور مشکلات کا احوال پوچھنے کے لیے سوالات لکھے جائیں۔

۶۔ شادی، اولاد اور خانگی حوالے سے سوالات ہونے چاہئیں۔

۷۔ ادبی زندگی کے آغاز کے بارے میں سوالات دیے جائیں۔

۸۔ مطبوعات اور مختلف رسائل میں ادبی تخلیقات کی اشاعت کو سوالات کو موضوع بنایا جائے۔

۹۔ فن اور فکری حوالے سے سوالات ہونے چاہئیں۔

۱۰۔ ادبی کارنامے، کامیابیاں، ایوارڈ، تعریفی سرٹیفکیٹ، ادبی اعزازات و انعامات وغیرہ کے بارے میں سوالات لکھے جائیں۔

۱۱۔ آخری سوال مجموعی تاثر کے حوالے سے جواب دینے پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اگر کوئی اضافی معلومات دینا چاہتا ہے تو اس سوال کے جواب میں دے سکے۔

سوالناموں کی اقسام

۱۔ بند سوالنامے (Close Ended Questionnaire)

۲۔ کھلے سوالنامے (Open Ended Questionnare)

۳۔ ملی جلی ساخت کے سوالنامے (Semi Structured Questionnare)

۴۔ تنقیدی وتاثراتی سوالنامے

کوئی بھی سوال نامہ جب مرتب کیا جائے گا تو اس میں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے جوابات آسانی کے ساتھ ترتیب دیے جا سکیں۔ان اقسام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ پہلی قسم میں سوالنامہ تیار کرنے والا سوال کے ممکنہ جوابات تحریر کر دیتا ہے جواب دینے والا درست جواب کی نشاندہی کرتا ہے۔اس میں معلومات کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری قسم میں جواب دینے والے کو پابند نہیں کیا جاتا کہ وہ چند سوال کے چند ممکنہ جوابات میں کوئی ایک جواب دے بلکہ اس میں جواب دینے والے کو اپنے مؤقف کے اظہار کی آزادی ہوتی ہے۔مگر اس میں بعض اوقات جواب دینے والا غیر ضروری تفاصیل میں بھی جا سکتا ہے جس سے محقق کا وقت ضائع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

۳۔ تیسری قسم میں پہلی دونوں اقسام کو ملا جلا کر سوال نامہ ترتیب دیا جاتا ہے۔اس قسم کے سوال نامے میں محقق بآسانی اپنی مطلوبہ معلومات تک پہنچ جاتا ہے۔اس سوالنامے میں دونوں طرح کے سوال محقق کو زیادہ معلومات کی فراہمی کا باعث بنتے ہیں۔

۴۔ چوتھی قسم میں کسی بھی زیر تحقیق شخصیت یا موضوع سخن کے حوالے سے انٹرویو دینے والے سے فنی محاسن وعیوب کے حوالے سے سوالات کیے جاتے ہیں۔اور وہ اپنی تنقیدی رائے کا اظہار کرتا ہے جو کہ تحقیقی موضوع کے حوالے سے کردار اور فنی حوالے سے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔انٹرویو سے حاصل کردہ اس قسم کے تاثرات کو مقالہ میں جگہ دی جاتی ہے یا حوالے کے طور پر جہاں ضرورت ہو استعمال کیا جاتا ہے۔عموماً ایم اے کی سطح کے مقالات میں پندرہ بیس افراد کی ایسی تنقیدی آراء کو من وعن مقالہ میں شامل کرلیا جاتا ہے۔

سوالناموں کی نوعیت اور ساخت:

سوالناموں میں سوالات دیتے وقت سوالوں کی نوعیت کو سامنے رکھا جائے یہ خالصتاً تحقیقی ہونی چاہئے اور خوب سوچ بچار کے بعد سوالنامہ ترتیب دیا جائے۔سوالنامہ بنانے میں درج ذیل اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو اس سے سوالنامے میں پیچیدگی پیدا نہیں ہوگی اور یہ زیادہ کارآمد ثابت ہوگا۔

۱۔ اس قسم کے سوالات نہ دیے جائیں جن کے جوابات آپ کے تحقیقی دائرے یا موضوع سے ہٹ کر ہوں۔

۲۔ سوال میں کسی قسم کا ابہام نہ رکھا جائے اور نہ ہی ذومعنی الفاظ، تراکیب اور جملے استعمال کیے جائیں۔

۳۔ جہاں ضرورت ہو وہاں سوال کی نوعیت یا تحقیقی ضرورت کو واضح کر دیا جائے۔اس وضاحت سے جواب دینے والے کو پتہ چل جائے گا کہ محقق اُس سے کیا چاہتا ہے۔

۴۔ کوئی بھی سوال زیادہ طویل نہ ہو۔ بلکہ مختصر اور جامع ہو۔جس کا جواب آسانی سے دیا جاسکے۔

۵۔ ایسے سوال نہ دیے جائیں کہ جن کا جواب دینے والا جواب دیتے وقت خود کو بند گلی میں کھڑا ہوا محسوس کرے۔ بلکہ وہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرسکے۔

۶۔ سوال نامہ مرتب کرتے وقت زبان کا بطور خاص خیال رکھا جائے کہ وہ کن لوگوں

کو بھیجا جا رہا ہے، اگر عام لوگوں کو بھیجا جا رہا ہے تو سادہ اور آسان الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا جائے۔

جواب دینے والوں کی علمی استعداد کو ذہن میں رکھا جائے۔

سوالنامہ کی نمونہ بندی:

سوالنامے کے لیے تمام لوگوں تک پہنچ ممکن نہیں ہوتی اس کے لیے نمونے کے طور پر شروع میں چند افرا کو سوالنامہ بھیجا جائے اور ان کی مدد سے اعداد و شمار اکٹھے کیا جائیں۔ یہ نمونہ بندی آگے چل کر سوالات کے حوالے سے آنے والے ابہام کو دور کرنے میں مدد دے گی۔

ان چند افراد کے جوابات کی روشنی میں ممکنہ تبدیلیوں کو عمل میں لایا جائے اور جن سوالات کا مناسب یا متوقع نتیجہ سامنے نہیں آیا ان میں حسب ضرورت ترمیم کر دی جائے۔

سوالنامہ کن کو دیا جائے:

اس حوالے سے تحقیقی دائرے کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی فرد یا ادارے کو چنا جا سکتا ہے۔ تمام ملنے جلنے والے افراد کو سالنامہ دینے کے بجائے سوالنامہ صرف منتخب لوگوں کو دیا جائے۔

کوشش کی جائے زیادہ تر اُن لوگوں کو ضرور سوالنامہ بھیجا جائے جن سے فوری طور پر جواب ملنے کی توقع ہے۔

وہ لوگ جن تک آپ کی پہنچ ہے، ان کے پاس اگر وقت ہو تو اپنے سامنے اُن سے سوالنامہ پُر کرا لیا جائے، اس طرح کچھ مواد فوری طور پر آپ کے ہاتھ لگ جائے گا۔

سوالنامے کی حدود:

سوالنامہ ترتیب دیتے وقت اس کی حدود کا خیال رکھا جائے کہ اس کا دائرۂ کار کیا ہونا چاہیے، کن کن حوالوں سے سوال تیار کیے جائیں۔ اور کس قسم کے لوگوں تک یہ پہنچائے جائیں، اس بات کا فیصلہ سوالنامہ ترتیب دینے سے پہلے ہی کر لیا جائے اور اس حوالے سے تحقیقی نوعیت کو سامنے رکھا جائے۔ کیونکہ سوالنامے کا سارے کا سارا دارومدار تحقیقی ضرورت پر ہوگا۔

وہ تمام افراد جو آپ کے تحقیقی موضوع کے حوالے سے مفید معلومات دے سکتے

ہوں انھیں سوال نامہ بھیجا جائے۔

سوالناموں کی تقسیم اور واپسی:

سوالناموں کی تقسیم اور واپسی: کوشش ہونی چاہیے کہ سب کے سب متعلقہ

سوالنامے ترتیب دے کر فوری طور پر یہ

لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ سوالناموں کو ترتیب دیتے ہوئے اس بات کی کوشش کی جائے

کہ جواب لکھنے والا پوری آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کر سکے اور من مانا جواب دے سکے۔

سوالنامہ اس قسم کا نہ بنایا جائے جس سے کوئی ایک ہی جواب اخذ ہوتا ہو۔ سوالنامے کی فوری

واپسی کا مطالبہ نہ کیا جائے بلکہ سوالنامے کے جواب کے لیے مناسب وقت دیا جائے۔ کوشش

کی جائے کہ دوسرے ہی دن یا جتنی جلدی ممکن ہو سکے سوالنامے تقسیم کے بعد واپس لے لیے

جائیں۔

مواد کا تجزیہ:

سوالنامے دینے کے بعد انھیں واپس لینا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک یہ

سوالنامے پُر ہو کر واپس نہیں ملیں گے تو معلومات حاصل نہیں ہوں گی۔ پھر ان سوالناموں کے

ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

یہ تجزیہ اعداد و شمار پر بھی مبنی ہو سکتا ہے اور ہاں یا نہیں کے جوابات کی روشنی میں بھی

ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

اشاریہ (index)

اشاریہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کتب سے استفادہ اور ان کتب سے اپنے کام کی چیز لینے میں معاونت کرتا ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ اگر کتاب یا مقالہ کا اشاریہ کتاب یا مقالہ کے آخر میں موجود ہو تو پڑھنے والا پلک جھپکنے میں نہ سہی، چند لمحوں کے مطالعہ کے بعد اپنے مطلوبہ ہدف (ٹارگٹ) تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر اشاریہ موجود نہیں ہے تو اسے وقت نکال کر لازمی طور پر مکمل کتاب کا پوری یکسانیت کے ساتھ مطالعہ کرنا پڑے گا تب کہیں جا کر وہ اس قابل ہو سکے گا کہ اس کتاب میں سے اپنے کام کی چیز حاصل کر لے لیکن یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ضروری نہیں مکمل کتاب کے مطالعہ کے بعد بھی اسے کچھ حاصل ہو سکے۔ اس صورت میں اس کی ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ صرف اشاریہ ہی ہے جو ساری کتاب کا نچوڑ ایک نظر ڈالنے میں آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔

لغت نویسوں، محققوں اور دیگر اہل قلم کے حوالے سے اشاریہ کی بہت سی تعریفیں موجود ہیں۔ فیروز سنز کی شائع کردہ ڈکشنری کے مطابق اشاریہ کی تعریف درج ذیل ہے:

بتانے کا نشان، انگشت، شہادت، اشاریہ، علامت، (الجبرا) عدد قوت نما

Index[1]

"کشاف اصطلاحات کتب خانہ" میں محمود الحسن وزمرد محمود اشاریہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"کسی کتاب یا کتب میں مذکورہ مضامین، اشخاص، مقامات یا ناموں وغیرہ کی مفصل الفبائی یا ابجدی فہرست مع حوالہ صفحات جہاں انھیں

استعمال کیا گیا ہو۔‘‘(۲)

اشاریہ کی تعریف کرتے ہوئے تحقیق وتدوین کے حوالے سے عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

’’اشاریہ کا مقصد اشخاص، مقامات وغیرہ کے نام گنوانا نہیں بلکہ ان سے متعلق کتاب میں کوئی اطلاع یا اطلاعات بہم پہنچائی گئی ہوں۔ اگر کتاب ضخیم ہے تو اشاریہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔‘‘(۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق وتدوین اور تنقید پر گہری نظر ہے، اشاریہ کی تعریف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’ہجائیہ یا طبقہ بند فہرست، مثلاً جو کتاب کے آخر میں لگائی جاتی ہے تاکہ اس میں شامل مواد کا حوالہ تلاش کیا جاسکے؛ وہ چیز جو سائنسی آلے میں اظہار کے لیے استعمال کی جائے؛ سوئی؛ شہادت کی انگلی؛ جو چیز کسی حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائے

(جیسے The face is an index of the heart)

نشان؛ دلیل؛ علامت۔ (طباعت) وہ نشان جو کسی خاص تحریر یا پارۂ عبارت کی نشاندہی کے لیے استعمال کیا جائے۔ نیز hand, fist (الجبراء) قوت نما۔ (سائنس) ایک عدد یا کلیہ جو کسی نسبت کا اظہار کرے۔ [(بڑے ا کے ساتھ) مذہبیات] قابل اعتراض مواد کی حامل کتابوں کی فہرست جو رومی کیتھولک کلیسا کی طرف سے شائع کی جائے۔

(فعل متعدی) اشاریہ بنانا، مثلاً کتاب کا، اشاریہ میں درج کرنا، مثلاً کوئی لفظ، اشاریہ کا کام دینا۔ (۴)

اردو لغت میں اشاریہ کی درج ذیل الفاظ میں تعریف بیان کی گئی ہے:

’’اشاریہ: حروف تہجی کی ترتیب سے کتاب وغیرہ کے شروع یا آخر میں

دی ہوئی فہرست جس میں کتاب کے مضامین اور دوسرے جزئیات
کے حوالے اور صفحات وغیرہ درج ہوں۔"(۵)

مصباح رضوی نے اشاریے کو مرتب کرنے کے دو ممکن طریقے بیان کیے ہیں۔
پہلا یہ کہ اشاریہ میں دی جانے والی معلومات کو لغت کے انداز میں الف بائی طریقے سے درج
کیا جائے۔ یعنی معلومات کو عنوانات کے تحت درج کرنے کے بجائے گھلا ملا کر لکھ دیا جائے۔
یہ طریقہ کار مطلق اشاریہ سازی کی ذیل میں آئے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معلومات کو مختلف عنوانات اور زمروں میں تقسیم کردیا جائے۔ جیسے
شخصیات، مقامات، کتب وغیرہ اور ان کی ذیل میں ان سے متعلقہ صفحات کی تفصیل کو درج
کیا جائے۔ اگر مختلف شخصیات کے متعلق معلومات زیادہ نوعیت کی ہوں تو ان کے ذیلی
عنوانات بنائے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر غالب کا نام آتا ہے تو غالب کے متعلق جس
بابت کی معلومات مقالے میں میسر آئی ہوں ان کو ذیلی عنوانات کے تحت درج کیا جائے
جیسے غالب:۔ پیدائش، شادی، پنشن کا قضیہ، وفات وغیرہ۔ بالعموم اشاریہ میں صرف عنوان
اور ان کے صفحہ نمبر درج کردیے جاتے ہیں۔ ذیلی عنوانات یا تفصیلات وغیرہ درج نہیں کیے
جاتے۔ اشاریہ مرتب کرنے کا یہ آخرالذکر دوسرا طریقہ زیادہ بہتر اور مفید ہے۔(۶)

اشاریے کئی قسم کے بنائے جاسکتے ہیں۔ ان کی اقسام میں ناموں کا اشاریہ، مقامات کا اشاریہ
موضوعی اشاریہ، شخصی اشاریہ وغیرہ۔ پہلی تین قسم کے اشاریے عموماً ضمیمے کے طور پر کتاب کے
آخر میں دیے جاتے ہیں تاکہ قارئین اپنے مطلوبہ مواد کو آسانی سے حاصل کرسکیں۔

اشاریے کی اور بھی کئی اقسام ہیں۔ جس میں نسبتی اشاریہ، خصوصی اشاریہ قابل ذکر ہیں۔ اس
کے علاوہ اشاریے کتاب میں موجود مختلف ناموں اور موضوعات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ
کتاب میں کہاں کہاں یہ نام اور موضوعات موجود ہیں۔ شخصی اشاریہ اور شخصی کتابیات دونوں
ایک دوسرے کے قریب ہیں مگر ان میں بنیادی فرق ہے، شخصی اشاریے میں کتاب میں موجود
تمام اشخاص کے ناموں کا اشاریہ بنایا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ کون سے شخص کے بارے
میں معلومات کس صفحہ پر درج کی گئی ہیں۔ جب کہ شخصی کتابیات میں کسی ایک شخصیت کی تمام
تحریروں اور اس پر لکھی گئی تحریروں کو سامنے لایا جاتا ہے اور انھیں کسی منظم نظام کے تحت پیش کیا

جاتا ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ مطلوبہ شخصیت کے حوالے سے مختلف رسائل، اخبارات اور کتابوں میں کہاں کہاں مواد پایا جاتا ہے۔

جہاں تک اشاریہ اور اشاریہ سازی کا تعلق ہے کتابوں کی تعداد اور علوم میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت اور اہمیت بڑھتی چلی گئی۔ جیسے جیسے علوم وفنون اور زبان وادب نے ترقی کی ویسے ویسے کتب خانوں، کتابوں کی فہرست سازی اور اشاریہ نگاری کے لیے بھی اصول وضوابط وضع ہوتے گئے۔کمپیوٹر کے استعمال نے اشاریہ سازی کے فن کو جہاں پہلے کی نسبت زیادہ وسعت دی ہے وہیں اس میدان میں بہت سی سہولیات بھی مہیا کی ہیں ۔اب جو کام کارڈوں پر اور کاغذ کے ٹکڑوں پر کیا جاتا تھا وہی کمپیوٹر پر مختلف سوفٹ ویئر کے ذریعے ہونے لگا ہے ۔کارڈوں اور کاغذوں کو ترتیب دینا اشاریہ سازی کی تکمیل تک انھیں سنبھال کر رکھنا خاصا مشکل اور احتیاط طلب کام تھا۔کسی ایک کارڈ کے گم ہونے ، پھٹ جانے تحریر کے مدھم یا مبہم ہونے یا کسی سبب بھیگ جانے کی وجہ سے پڑھے نہ جانے کا احتمال اپنی جگہ ہر وقت موجود رہتا۔اب کمپیوٹر نے اس حوالے سے بہت سی دشواریوں کو آسانی میں بدل دیا ہے۔

روز افزوں علوم وفنون میں اضافہ ہورہا ہے۔ہر نیا دن نئی معلومات لے کر منظر عام پر آتا ہے۔کتب ومقالات کا وافر مواد شائع ہوتا رہتا ہے ۔مختلف علمی ،ادبی اور تحقیقی مجلوں میں سینکڑوں مقالات کا شائع شدہ لوازمہ توجہ کا باعث بنتا ہے ۔اس وسیع ووافر ذخیرے سے کوئی تحقیق کار کسی خاص موضوع کے متعلق لوازمہ کیسے تلاش کرے،اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تمام کتب ومقالات کی باری باری ورق گردانی کی جائے،لیکن اس کام میں محقق کا بہت سا وقت صرف ہوجاتا ہے۔ایسے موقع پر مختلف النوع اشارے اور وضاحتی فہرستیں محقق کی دستگیری کرتی ہیں جن کی مدد سے وہ ادھر ادھر بھٹکنے سے بچ جاتا ہے۔سہولت وآسانی کے ساتھ نسبتاً کم وقت میں اپنے مطلوبہ مواد تک پہنچ جاتا ہے۔''(۷) بقول سرفراز حسین مرزا:

> ''اشاریے کا مقصد کسی دستاویز کے مندرجات کو آشکار کرنا اور قاری کو ایک طائرانہ نظر میں وہ سب کچھ مہیا کرنا ہے کہ جس کی اسے جستجو ہو اور اسے اپنے مطلب کے مواد کی تلاش کے کام میں آسانی ہو ۔بکھری ہوئی معلومات کی طرف راہنمائی کے لیے اشاریے مؤثر کردار ادا

کرتے ہیں۔"(۸)

کتابیات کی طرح اشاریہ بھی علمی و تحقیقی کتابوں میں لازمی طور پر ہونا چاہیے اس کی وجہ سے محقق کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں اس کے کام کی چیز ہے یا نہیں یا جملہ کتاب کے مندرجات یا مشمولات کیا ہیں اور اس طرح وہ پوری کتاب کی ورق گردانی اور وقت کے ضیاع سے بچ جاتا ہے۔ اشاریہ کا مقصد اشخاص، مقامات، کتابوں اور مضامین وغیرہ کے نام گنوانا نہیں ہوتا بلکہ ان سے متعلق مفید معلوم بہم پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر اشاریہ طویل ہو جائے تو اسے پڑھنے والی کی سہولت کے لیے مختلف ذیلی عنوانات میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اشاریہ کی ایک بڑی خوبی اور اہمیت یہ بھی ہے کہ کسی خاص موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قاری کو الف بائی ترتیب کی وجہ سے مطلوبہ چیزیں اور متعلقہ حوالے اکٹھے ایک ساتھ مل جاتے ہیں۔ اسے اس کے لیے زیر مطالعہ یا زیر تحقیق کتاب کو شروع سے آخر تک نہیں کھنگالنا پڑتا۔ اس سے جہاں اسے علمی و تحقیقی مواد مل جاتا ہے وہیں اسے ذہنی سکون بھی حاصل ہوتا ہے کہ اشاریے کی بدولت کم وقت میں زیادہ کام کر لیا ہے۔

اشاریہ کا انحصار:

اشاریہ کا انحصار دراصل موضوع یا مضمون کتاب پر ہے مثلاً کتاب باغبانی کے موضوع پر ہے ظاہر ہے کہ اس میں پھولوں کا ذکر کثرت سے ہوگا۔ اس لیے ان کا اشاریہ بنانا ہوگا۔ کتاب میں پرندوں کا ذکر کثرت سے ہوا ہے تو ان کا بھی اشاریہ بنایا جائے۔ تاریخ کی کتاب میں اہم واقعات کا بھی اشاریہ ہوگا۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ اشاریہ کتاب کے متن کے مطابق ہونا چاہیے، یعنی جن جن چیزوں کا ذکر زیادہ ہوا ہے ان کا اشاریہ بنایا جائے۔(۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اشاریہ چاہے کتاب کا ہو، رسالے کا ہو، یا پھر مضامین کا، اشاریہ بناتے وقت موضوعات کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی کتاب لسانی موضوع پر مبنی ہے تو اس میں لسانی حوالے ہی سے اشاریہ بن سکتا ہے۔ اگر کوئی کتاب شاعری کی ہے تو غزل، نظم، مختلف اصناف شعری جس پر کہ وہ کتاب مشتمل ہے، تلمیحات، الفاظ و تراکیب، یا وہ موضوعات جنھیں شاعر نے اپنی شاعری میں سمویا ہے، کا اشاریہ بنایا جاسکتا ہے۔ کتابوں کے ساتھ اخبارات و رسائل کے اشاریے بھی بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے

ہیں۔

توضیحی اشاریہ

اشاریہ اگر رسائل میں شائع ہونے والے مضامین، خطوط، شعری ونثری ادب کا ہو تو اشاریہ مرتب کرنے کے بعد ان مضامین کی تشریح وتوضیح بھی کی جاتی ہے جسے توضیحی اشاریہ کہا جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں ایم اے اور ایم فل کی سطح پر اس حوالے سے اچھا خاصا کام ہو چکا ہے۔اسی طرح کتابوں میں شخصیات، مقامات اور دیگر چیزوں کا اشاریہ مرتب کر کے اس کی توضیح وتشریح کی جاتی ہے۔اہم اقتباسات کے حوالے بھی دیے جاتے ہیں اور وضاحت طلب امور کی تحقیقی وتنقیدی انداز میں وضاحت بھی کی جاتی ہے۔ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

> "ہر کتب خانہ میں موجود تمام رسائل کے وضاحتی اشاریے مرتب ہوں اور وہ شائع بھی ہوں۔۔۔اب رفتہ رفتہ ہمارے ہاں قدیم اخبارات ورسائل کے وضاحتی اشاریے بنانے کی طرف توجہ کی جارہی ہے لیکن یہ رفتار نہایت ست اور ابھی نجی سطح تک محدود ہے۔خصوصاً تحریک آزادی وتحریک پاکستان اور تاریخ پاکستان کے موضوعات کو پیش نظر رکھ کر تمام اخبارات ورسائل کے وضاحتی اشاریے جامعاتی کتب خانوں کے اپنے منصوبوں کا حصہ بننا چاہئیں اور انھیں اس کا پابند کیا جانا چاہیے۔پھر یہ کام متعلقہ مضامین کے شعبوں میں بھی کیا جاسکتا ہے مثلاً شعبہ علم کتاب داری، مطالعہ پاکستان، تاریخ وسیاسیات اور ادبیات کے شعبے اپنے اپنے موضوع پر وضاحتی اشاریے بنا سکتے ہیں۔"(۱۰)

رسالوں کے اشاریے ترتیب دیے گئے ہوں تو پوری فائل دیکھنے کے بجائے اشاریے کی مدد سے مطلوبہ رسالے کو دیکھنا ہی کافی ہوگا۔اشاریہ ہر قسم کی کتب اور رسائل کا تیار کیا جاسکتا ہے اور یہ اس کتاب کی افادیت میں اضافے کا موجب ہی بنے گا، کتاب اور رسائل وجرائد کے معیار اور شان میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔خاص طور پر تحقیق وتنقید سے متعلق مضامین ومقالات کے حوالے سے اس کی اہمیت دوچند ہے۔

لائبریری سائنس میں جس طرح کتابوں کی کیٹلاگ کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح تحقیق میں

اشاریہ سازی کو ماخذات تک پہنچنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔اس کی مدد سے محقق قابل مطالعہ
مواد اور دستاویزات میں اپنے ماخذات تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔
اشاریہ نویسی ہو سکتا ہے کہ تنقیدی اور تجزیاتی حوالے سے اہم نہ ہو لیکن تحقیقی سطح پر اس کی اہمیت
سے انکار ممکن نہیں۔اشاریہ کتابیات اور فہرست سے الگ چیز ہے تحقیقی مقالات کا ایک لازمی
جز ہے جس طرح کتابیات اور حوالہ جات کے بغیر تحقیقی مقالہ نامکمل رہتا ہے۔اسی طرح
اشاریے کے بغیر مقالہ میں ایک کمی محسوس کی جاتی رہتی ہے۔اشاریہ مطلوبہ معلومات کی فراہمی کو
آسان بناتا ہے بعض اوقات ہم کم وقت میں کوئی اہم معلومات حاصل کرنے کے لئے کسی
کتاب سے استفادہ کرتے ہیں تو اگر کتاب میں اشاریہ موجود ہو تو ہمارا یہ کام بہت کم وقت
میں ہو جاتا ہے اشاریہ نہ ہونے کی صورت میں پوری کتاب کھنگالنی پڑتی ہے باریک بینی سے
مطالعہ کرنا پڑتا ہے جبکہ اشاریے کی مدد سے ہم فوری طور پر اپنی مطلوبہ معلومات اور صفحہ پر بغیر
کسی ردوبدل کے پہنچ جاتے ہیں اور اشاریے کی مدد سے دنوں میں پایہ تکمیل تک پہنچنے والا کام
منٹوں سیکنڈوں میں ہو جاتا ہے۔اشاریہ کتابیات کے مختلف ابواب اور مشمولات اور
مندرجات کے حوالے سے کئی اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔اشایہ جامع اور مختصر ہونا چاہیے،
غیر ضروری طوالت سے بچنا چاہیے۔

اشاریے کی ترتیب اور درجہ بندی

اشاریہ کئی حوالے سے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مقالات

۲۔ رسائل وجرائد

۳۔ موضوعات

۵۔ علمی وادبی ادارے

۶۔ اشخاص

۷۔ افسانوی کردار

۸۔ اقوام وملل

۹۔ مقامات

اشاریے کو جتنا چاہیں پھیلاتے جائیں تاہم اہم ترین زمرے اشخاص، کتب اور مقامات ہیں۔ اشاریہ انھیں پر مشتمل ہونا چاہیے۔

"طریق کار یہ ہے کہ ان زمروں کا تذکرہ الف بائی ترتیب میں ہو اور ہر ذیلی عنوان کے آگے ان صفحات کے نمبر مرقوم ہوں جہاں جہاں متعلقہ لفظ مذکور ہوا۔"(۱۱)

کتاب کی جانچ پرکھ فہرست ابواب اور اشاریہ سے شروع ہوتی ہے۔ فہرست ابواب میں عموماً تفصیل ابواب بھی شامل ہوتی ہے۔ اگر مصنف آپ کے موضوع کو زیر بحث لاتا ہے تو باب کے ذیلی عنوانات سے آپ جان سکتے ہیں کہ اس نے کس حد تک بحث کی ہے اور کن اہم سوالات کو اٹھایا ہے؟ باب کے اندرونی مختصر مباحث کو اشاریہ کی مدد سے معلوم کیا جاسکتا ہے اشاریہ میں جملہ مسائل کے حوالے سے صفحہ نمبر بھی مذکور ہوتا ہے، بے شک موضوعات کا تذکرہ انتہائی مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۲)

مقالہ کے موضوع کے مطابق اس کا اشاریہ ہوگا۔ اگر مقالہ تاریخی موضوع پر ہے تو پھر اس میں اہم حکمرانوں، بادشاہوں، جنگ کے میدانوں، بادشاہوں کے وزراء (وکابینہ)، اہم مقامات، ادیب اور شعراء، بزرگان دین، سلسلہ ہائے تصوف مورخین، اضلاع اور شہروں کے نام شامل ہوں گے۔ کسی عہد میں بغاوت ہوتی ہے تو باغیوں کے ناموں کا اندراج بھی اشاریے میں حروف تہجی کے تحت کر سکتے ہیں۔

☆ اگر مقالہ تصوف کے موضوع سے متعلق ہے تو اس کے اشاریہ میں درج ذیل کی نشاندہی کی جاسکتی ہے

اہم اور برگزیدہ بزرگوں کے نام

جن علاقوں کا انھوں نے سفر کیا ان کے نام

اس عہد کے تاجداروں کا حوالہ

تصوف کے سلسلہ ہائے کے نام

تصوف کی اہم کتب کا نام

معجزات وغیرہ

درگاہوں اور خانقاہوں کے نام
مریدین اور سجادہ نشینوں کے اسماء

☆ اگر مقالہ کسی ''تذکرہ'' سے متعلق ہے تو اس میں

اہم تذکرہ نگاروں کے اسماء
بار بار ذکر کیے جانے والے شعرا کے نام
مشہور جگہوں کے نام
مصنف کا تذکرہ
سیاح وغیرہ کا ذکر
اس عہد کے ادب دوست حکمرانوں کے نام وغیرہ کی نشاندہی کرنا ہوگی

☆ اگر مقالہ کسی شخصیت پر ہے تو پھر

شخصیت کا نام
عزیزوں رشتہ داروں کے نام
اساتذہ کے نام
کاموں کی تفصیل یعنی کتب وغیرہ کے نام
جن کتابوں میں اس شخصیت کا ذکر ہوا اُن کے نام
اس شخصیت کے عہد کے دیگر مشہور لوگوں کا نام
جن جگہوں کا اس نے سفر کیا ان کا اشاریہ میں ذکر اور نشاندہی کی جاسکتی ہے۔
بہر حال یہ کوئی حتمی خاکہ نہیں ہے۔ مقالے کی ضرورت کے مطابق اس میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔ (۱۳)

جس طرح تحقیق سے ہماری آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ زاویۂ نگاہ کو وسعت دیتی ہے۔ ادبی و دیگر مسائل سے نپٹنے اور ان کا حل پیش کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ سچائی کو کھوجتی ہے۔ حقائق کو تلاش کرتی ہے۔ اشاریہ اس تمام کام میں تحقیق میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تحقیق باضابطہ طور پر مسائل کے حوالے سے مواد فراہم کر کے ان کا تجزیہ کرتی ہے اور کسی منطقی نتیجے پر پہنچ کر ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

اشاریہ سازی کے اصول

اشاریہ سازی کا تعلق چونکہ مصنفین اور مضمون نگاروں کی تخلیقات اور تصنیفات کے اندراج سے ہوتا ہے اور بعض اوقات مصنفین کے نام کئی اجزا پر مشتمل ہوتے ہیں اور بعض اوقات، تخلص، خطاب، کنیت، علمیت، قومیت، خاندان، پیشہ بھی نام کا حصہ ہو تو پھر بحث یہ ہوتی ہے کہ نام کے یہ اجزاء اشاریے میں کس ترتیب سے درج کیے جائیں۔ اور مختلف اندراج میں مصنفین کے نام کی ترتیب مختلف ہو جائے تو اس سے اشاریے میں تکنیکی خرابی پیدا ہونے کا احتمال رہے گا۔

پاکستانی ناموں کے مندرجات کی ترتیب کے دوران مغربی اصولوں کے مطابق معیار بندی میں اس لحاظ سے بھی دقت پیش آتی ہے کہ کسی کتاب کے مصنف کا نام غیر ضروری طور پر طویل ہے اور کسی کا مبہم حد تک مختصر۔ مصنف کے اصل نام کے ساتھ بعض اوقات احتراماً کئی کئی القابات درج ہوتے ہیں یا پھر مصنف یا مرتب کا نام ہی سرے سے درج نہیں ہوتا۔ ایک اور الجھن یہ ہے کہ مشرقی اور خاص طور پر پاکستانی ناموں میں خاندانی ناموں کی شمولیت ضروری نہیں ہوتی اور ان ناموں کی ترتیب ایسی ہوتی ہے کہ اگر انھیں کتابیات کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق توڑ کر لکھا جائے تو اکثر اوقات بہت عجیب و غریب بلکہ مضحکہ خیز صورت حال بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (۱۴)

ایک اشاریہ ساز کو اشاریہ بنانے کے عمل میں شروع سے لے کر آخر تک اس حوالے سے مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ اشاریہ ساز کو چاہیے وہ اس حوالے سے کسی ایک اصول کی پابندی کو اپنے پورے اشاریے میں یقینی بنائے عموماً بعض اوقات ایک ہی اشاریے میں ایک ہی نام کو مختلف موضوعات میں توڑ کر مختلف انداز میں درج کر دیا جاتا ہے جس سے اشاریے کا حسن اور ترتیب مجروح ہوتی ہے۔

مسلمان مصنفین کے بیشتر نام محمد سے شروع ہوتے ہیں۔ بعض اشاریہ نگار نام کا اندراج کرتے وقت محمد سے اندراج کرتے ہیں اور بعض اشاریہ نگار محمد کو نام کے بعد میں لے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی اشاریے میں ایسی خامیاں بھی نظر

آتی ہیں کہ کہیں نام محمد سے درج کردیا جاتا ہے اور اسی اشاریے میں کسی دوسرے مقام
پر محمد نام کے بعد میں لکھا جاتا ہے۔ اس طرح اشاریہ میں ایک عجیب سے بے اصولی نظر
آتی ہے جس کی وجہ سے اشاریے کا استناد اور حسن مجروح ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صابر کلوروی اپنے اشاریے میں ناموں کے اندراج کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اشاریہ میں ان اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر مکاتیب میں آیا ہے "محمد" سے شروع ہونے والے ناموں کا ذکر "م" کے تحت ہی کیا گیا ہے تاہم دوسرے القابات مثلاً سید، خواجہ، مولوی، ڈاکٹر، چوہدری، قاضی، پروفیسر، صاحبزادہ، سر، میاں، ملک، حکیم، نواب مرزا وغیرہ کو نام کے آخر میں لکھا گیا ہے اگر کہیں اس اصول کی پیروی نہیں کی جاسکی تو نام دوسری ممکن جگہ پر بھی درج کردیا گیا ہے۔ حسب ضرورت تقابلی حوالوں cross references کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔" (۱۵)

کسی بھی اشاریے میں ناموں کو درج ذیل انداز سے درج کیا جاتا ہے۔

تخلص:

اگر کسی شخص کا تخلص نام سے زیادہ مشہور ہے تو اندراج تخلص کے حوالے سے کیا جائے
اور نام کا باقی حصہ بعد میں لکھا جائے

جگر مرادآبادی، سکندر علی

غالب، اسداللہ خان

حالی، خواجہ الطاف حسین

خاندانی نام:

کوئی مصنف جب اپنے نام کا آخری حصہ بالکل اسی طرح استعمال کرتا ہے جس طرح
مغرب میں خاندانی نام استعمال کیا جاتا ہے تو اندراج نام کے اسی حصے میں ہوگا۔

ر مجنوں والا، ایم اے زبیری، حسین احمد

مرکب اور دو لفظی نام

مرکب نام اور دو لفظی نام اسی طرح آئیں گے مثلاً

عبدالرحمن، عبدالواحد، محمد حسین،

لقب، خطاب

اعزازی خطاب میں اندراج نام کے ساتھ ہوگا، خطاب کے ساتھ نہیں

سرسید احمد خان کی جگہ احمد خان، سرسید

سر علامہ محمد اقبال　　محمد اقبال، سر علامہ

علامہ محمد اقبال　　اقبال، علامہ

ناموں کے اندراج کئی حوالوں سے کیے جاتے ہیں۔ بعض مغربی طرز پر آخری ...
نام کو لیتے ہیں۔ بعض تخلص کو بعض اس نام کو جو مشہور ہو۔ بعض ان ناموں کو جو ...
شروع ہوتے ہیں جوں کا توں لکھ دیتے ہیں بعض اس صورت حال میں نام کو توڑ کر ...
بعد میں لکھتے ہیں۔

محمد عبدالکریم کو عبدالکریم، محمد

محمد اشرف کو اشرف، محمد

ناموں میں درج ذیل القابات کو بعد میں لکھا جاتا ہے۔

مولوی، مولانا، الحاج، حاجی، حافظ، آقا، آغا، امیر سالار، حکیم، حضرت، حضور، ...
مکرم، خلیفہ، خطیب، محترم، بابائے قوم، بابائے اردو، بابائے صحافت، میاں، شیخ، ...
منشی، ڈپٹی، نواب، نواب زادہ، پیر، پیر زادہ، صاحب، صاحب زادہ، سردار، ...
العلماء، صوفی، قادری، چشتی، رئیس، رئیس زادہ، قاضی، قاری۔

اگر وہ لقب نام کا حصہ ہو تو پھر وہ پہلے آئے گا۔

آغا حشر کاشمیری، امیر مینائی،

کنیت:

جو نام کنیت کی وجہ سے مشہور ہیں وہ کنیت ہی کے حوالے سے درج ہوں گے۔ ...

...ہی لکھا جائے گا۔
ابو مسلم
ابن انشا

...قلمی نام اور تخلص:

...قلمی نام ہے (اور مرتب کے علم بھی ہے) تو ایسی صورت میں تخلص یا قلمی نام کو
...تخلص یا قلمی نام ...دی جائے۔ مثلاً اگر تخلص شروع میں ہے جیسے ساغر صدیقی تو اندراج بھی اسی
...طرح ساغر صدیقی ہوگا۔ اگر تخلص درمیان میں ہے جیسے احمد ندیم قاسمی تو اندراج بھی
...ندیم قاسمی، احمد اور اگر آخر میں ہے جیسے حفیظ تائب تو پھر اندراج بھی تخلص کی رعایت
...تائب، حفیظ ہوگا۔ (۱۷)

...قلمی نام کے حوالے سے

...قلمی نام ...ش عین ہی لکھا جائے گا، اصل نام نہیں۔
...ش عین: ش عین
...عزیزالدین خاکی القادری کا اندراج خاکی القادری، عزیزالدین، کیونکہ تخلص خاکی ہے
...کچھ ناموں میں عبدل کو الگ نہیں کیا جا سکتا جیسے عبدالغنی، عبدالرزاق وغیرہ
...محمد عبدالہادی القادری ۱۹۴۱
...کو عبدالہادی قادری لکھا جائے گا کیونکہ ہادی تخلص ہے
...جن ناموں کو توڑنے میں معنوی خرابی کا امکان ہو ان کو جوں کا توں لکھا جائے گا۔ مثلاً
...غلام مصطفیٰ، غلام حسین، محمد بخش، احسان الٰہی، احمد بخش، اللہ دتہ

...خاتون مصنفہ:

...خواتین کے ناموں میں اگر بیگم، خاتون، خانم جیسے الفاظ اگر بنیادی جز بھی ہوں تو انھیں
...بعد میں ہی آنا ہے۔ مثلاً قریشیہ خانم، افسری بیگم
...خاتون مصنفہ غیر شادی شدہ مصنفہ خاتون کا اندراج اس کے ذاتی نام کے تحت ہوگا مثلاً
...جمیلہ خاتون۔
...شادی شدہ مصنفہ کا اندراج پہلے ذاتی نام سے ہوگا۔ باپ کا نام قوسین میں لکھا جائے۔

مثلاً

حجاب (اسماعیل) امتیاز علی

اگر تخلص قلمی ہے تو تخلص کو اولیت دی جائے گی۔

ابو، سید، شاہ، شیخ، میر، پیرزادہ، نوابزادہ، خواجہ، میاں، چودھری، راجا وغیرہ کو بعد میں
جائے۔

کشفی، سید ابوالخیر، ڈاکٹر، ۔ تبریزی، شاہ محمد

عبدالرحمٰن، اسحٰق، یٰسین، اسمٰعیل، وغیرہ کو کمپیوٹر کی خود کار ترتیب نہ بگڑنے کے
عبدالرحمان، اسحاق، یاسین، اسماعیل لکھا جائے۔ (ص ۷)

میرے خیال میں محشر بدایونی کو محشر بدایونی ہی لکھا جائے۔

جبکہ محمد طاہر قریشی نے بدایونی، محشر لکھا ہے۔ (ص ۶)

پروفیسر، ڈاکٹر، علامہ، مولانا، مولوی، قاضی، حکیم، حافظ، منشی، رئیس، سیٹھ، مفتی،
جسٹس، بیرسٹر، نواب، پیر، صوفی، حاجی، الحاج، آغا، سر، پنڈت، فقیر، ماسٹر وغیرہ
اگر ان میں سے کوئی وجہ شہرت ہو یا نام کا جزو لاینفک بن جائے یا خود نام یا تخلص
پر مبنی ہو تو اس صورت میں انھیں نام میں شامل سمجھا جائے پھر جہاں مناسب ہو
اندراج کیا جائے مثلاً حافظ لدھیانوی (حافظ تخلص)۔ (۱۸)

پاکستانی ناموں میں اتنا تنوع ہے کہ سب کے لیے یکساں اصول وضوابط مقرر نہیں
جاسکتے۔

اشاریہ سازی میں ناموں کا اندراج کرتے وقت درج ذیل باتوں اور اصولوں کو
رکھا جائے:

اس قسم کے القابات کو نظر انداز کردیا جائے جیسا کہ

بابائے اردو یا مولوی عبدالحق کے بجائے عبدالحق، مولوی

آغا محمد سعید — محمد سعید، آغا

حافظ محمود شیرانی — شیرانی، حافظ محمود

مفتی صدرالدین — صدرالدین، مفتی

حکیم محمد سعید	محمد سعید، حکیم
خلیفہ عبدالحکیم	عبدالحکیم، خلیفہ
مولانا محمد حسین آزاد	آزاد، مولانا محمد حسین
مولانا شبلی نعمانی	شبلی نعمانی، مولانا
منشی پریم چند	پریم چند، منشی
نواب علاء الدین علائی	علائی، نواب علاء الدین
قاضی عبدالرحمن عابد	قاضی عابد (قاضی عابد کے نام سے مشہور ہیں)

اگر کسی مضمون نگار کا ایک ہی مضمون ایک سے زیادہ بار شائع ہوا ہے تو اشاریے میں اس کی ترتیب زمانی حوالے سے ہوگی۔

حوالے میں عموماً شہر کا نام ہی کافی سمجھا جاتا ہے مگر جب کسی ایسے شہر کا ذکر ہو جو کہ دو ملکوں میں ایک ہی نام سے پکارا جاتا ہو تو ایسی صورت میں ملک یا صوبے کا نام لکھنا بھی زیادہ مناسب ہوگا۔ مثلاً حیدر آباد

حیدر آباد (بھارت)

حیدر آباد (سندھ) پاکستان

حیدر آباد (تھل) پاکستان

اسی طرح فتح پور

فتح پور سیکری (بھارت)

فتح پور (لیہ) پاکستان

گجرات (بھارت)

گجرات (پاکستان)

ن۔م۔ راشد ہی لکھا جائے گا، راشد، ن۔م نہیں

اشاریہ بناتے وقت کتابیات کے اصولوں کو بھی سامنے رکھا جائے ایسا نہ ہو نہ کتابیات میں کسی اور طرح نام درج کیا گیا ہے اور اشاریہ میں کسی اور طریقے سے۔

حوالہ جات

۱۔ فیروز سنز کنسائز ڈکشنری، انگلش سے اردو، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۳ء، ص ۴

۲۔ محمود الحسن وزمرد محمود (مرتبین): کشاف اصطلاحات کتب خانہ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴

۳۔ عبدالرزاق قریشی: مبادیات تحقیق، لاہور، خان بک کمپنی، س ن، ص ۰۷

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: قومی انگریزی اردو لغت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، طبع پنجم، ص ۹۹۱

۵۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد اول (الف مقصورہ)، کراچی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۷ء، ص ۵۱۱

۶۔ مصباح رضوی، سیدہ: اردو تحقیقی کتب میں اشاریہ سازی، مشمولہ مخزن لاہور، قائد اعظم لائبریری، لاہور، شمارہ نمبر ۷، ص ۹۳

۷۔ اختر النساء: دیباچہ، اشاریہ اقبالیات سہ ماہی مجلّہ اقبالیات لاہور، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص ۵

۸۔ سرفراز حسین مرزا: پیش لفظ مشمولہ نوائے وقت، ص الف

۹۔ عبدالرزاق قریشی: مبادیات تحقیق، ص ۰۷

۱۰۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اردو تحقیق، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۲۸۸، ۲۸۹

۱۱۔ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری، لاہور، ادارہ تالیف وترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص ۴۸۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۵

۱۳۔ صفدر علی، پروفیسر، اصول تحقیق وتدوین، لاہور، فاروق سنز، س ن، ص ۱۳۰، ۱۳۱

۱۴۔ خالد اقبال یاسر: پیش لفظ، کتابیات اردو مطبوعات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص ۴

۱۵۔ پیش لفظ از صابر کلوروی مشمولہ اشاریہ مکاتیب اقبال، مرتبہ صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص س

۱۶۔ انیس خورشید ڈاکٹر، اشاریہ سازی کے اصول مضمون مشمولہ فنی تدوین مرتبہ ڈاکٹر ایم ایس ناز، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص ۳۷۸

۱۷۔ محمد طاہر قریشی، فہرست کتب خانہ نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۰۹ء، ص ۴

۱۸۔ ایضاً، ص ۷

روایت اور درایت

اردو تحقیق میں اصول روایت ودرایت بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی تحقیق میں جب محدثین نے احادیث کو مرتب کرنا شروع کیا تو ان کے سامنے بے شمار ایسی احادیث بھی آئیں جن کے استناد میں شک وشبہ تھا۔ ان احادیث کو جانچنے، پرکھنے اور ان کی صداقت کو جاننے کے لیے محدثین نے کڑے اصول اپنائے۔ جس میں روایت کرنے والوں کی خوب چھان بین کی گئی اور اس وقت تک کسی حدیث کو مستند نہیں سمجھا گیا جب تک کہ وہ تحقیق کے تمام اصولوں کے مطابق مستند نہ ثابت ہوگئی۔ بعد میں انھیں اصولوں کو بنیاد بنا کر نہ صرف مشرقی محققین بلکہ مغربی محققین نے بھی جدید تحقیق کے اصول وضع کیے۔

> "مغربی محققین نے انھیں اصول روایت ودرایت سے استفادہ کر کے تحقیق کے لیے اصول بنائے۔۔۔مغربی محققین نے اسلامی طرز تحقیق اور محدثین کے بنائے گئے اصولوں سے استفادہ کر کے اپنی تحقیق کے معیار کو بلند سے بلند تر کیا ہے۔ ان کے بہت سارے اصول محدثین کے اصول سے ماخوذ ہیں۔"(۱)

روایت اور درایت اسی تحقیقی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کی مدد سے واقعات کو ان کی اصل شکل میں کھوجنے اور صداقت کو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

روایت:

روایت سے مراد وہ بیان ہے جو کسی کے زبانی معلوم ہوا ہو۔ اسلام میں حضور اکرمؐ کے شعبہ زندگی کے حوالے سے احکامات اور طرز زندگی کو صحابہ کرام اور پھر ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے آگے پہنچایا۔ حضور اکرمؐ سے منسلک سینہ در سینہ روایتوں اور باتوں کو کتابی شکل میں

کرنے کا جب سوچا گیا تو اس کے لیے اصول فن حدیث ترتیب دیے گئے۔ تاکہ روایت کو پورے استناد کے ساتھ جمع کیا جاسکے اور آگے پہنچایا جاسکے۔

ان اصولوں میں ایک اہم اصول فن روایت کا بھی ہے۔ جس کی مدد سے حدیث کے صحیح ہونے کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں بھی ہے کہ

یا ایھاالذین آمنو ان جاء کم فاسق بنباء فتبینو

(سورۃ الحجرات:٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔

اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے محدثین کرام نے روایتوں کے استناد کا پہلو سامنے رکھا۔ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رکھی گئی کہ حدیث کو لیتے وقت روایت کرنے والے سے لے کر مسلسل چشم دید گواہ تک روایت کی کڑی موجود ہونی چاہیے۔

جو روایت کرنے والے ہیں، ان تمام لوگوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائے کہ وہ کون کون لوگ تھے۔ کوئی ان میں ایسا تو نہیں جس کی یاداشت کمزور ہو۔ یا جو کسی وجہ سے قابل اعتماد نہ ہو۔

اس مقصد کے لیے اور مستند احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کے لیے محدثین کرام نے اپنی عمریں صرف کردیں۔ راویوں کے بارے میں ان کے مشاغل اور سیرت و کردار اور ان کی عمر کا وہ حصہ جس میں کہ وہ روایت کر رہے ہیں، ان تمام باتوں کے بارے میں تحقیق اور پھر اس تحقیق کے نچوڑ میں حدیثوں کو سامنے لانا یہ محدثین کرام کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی تعلیم و مطالعہ میں تحقیق کی اہمیت کو اور زیادہ استناد اور اعتبار حاصل ہوا۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

> "روایتیں تقریری بھی ہوسکتی ہیں اور تحریری بھی۔ دونوں صورتوں میں یہ جاننا اور اس امر کا امکانی تفحص کرنا ضروری ہے کہ روایت کو نقل کرنے والا شخص کوئی معتبر آدمی ہے یا نہیں اور اگر کسی روایت کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو بڑھ کر کن واسطوں سے کہاں پہنچتا ہے اور جو وسائل یا

واسطے درمیان میں آتے ہیں انھیں صحت بیان یا نقل عبارت کے اعتبار سے کیا درجہ دیا جاسکتا ہے۔"(۲)

تحقیق میں روایت کو بہت سوچ سمجھ کر لینا پڑتا ہے اور اس حوالے سے پوری چھان بین کی جاتی ہے تب کہیں جا کر حقائق تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔

درایت

درایت بھی روایت ہی کی ایک کڑی ہے۔ جب بہت سی روایتیں اکٹھی ہو جائیں تو ان روایتوں کو پرکھنے، جانچنے اور ان کی چھانٹی کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہونا ضروری خیال کیا گیا۔ اسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف روایوں کے استناد اور صداقت کو پرکھنے کے لیے درایت کا اصول وضع کیا گیا۔

جو روایت بیان کی جارہی ہے کیا وہ قیاس کے مطابق درست ہے، کیا وہ عقلی حوالے سے صحیح ہے، خلاف قیاس اور عقل سے متصادم حدیثوں کو اصول درایت کے ذریعے الگ کیا جاتا ہے۔ تدوین حدیث کے اصولوں کے ساتھ ساتھ درایت کے اصول بھی مدون کیے گئے۔ اگر کسی حدیث کے تمام راوی مستند ہیں اور اگر پھر بھی عقلاً اس میں کوئی خامی پائی جاتی ہے تو اسے اصول درایت کے حوالے سے پرکھنا پڑے گا۔

درایت کے اصولوں کو ہر کوئی استعمال نہیں کرسکتا بلکہ ایسا وہی کرسکتا ہے جس کی ایک عمر حدیث وفقہ کے مطالعہ اور تحقیق میں گزری ہو۔ ہر کوئی درایت کے اصولوں کی بنا پر اپنا فیصلہ صادر نہیں کرسکتا۔

جدید اصول تحقیق کو اگر پرکھا جائے تو ان کی بنیاد وہی ہے جو کہ حدیثوں کی تدوین کے اصولوں کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہے۔

محدثین نے اپنی پوری زندگی حدیثوں کی جانچ پڑتال اور تحقیق میں بسر کی۔ جس کی وجہ سے ایسے اصول وضع ہوئے جو کہ ابھی تحقیق کے باب میں سنہرے حروف کے ساتھ لکھے جاسکتے ہیں۔

اصول روایت ودرایت کی مدد سے تحقیق کے وہ ضابطے سامنے آئے جو کہ بلند معیار کے حامل تھے۔ ان اصولوں کے بارے میں غلام مصطفیٰ لکھتے ہیں:

"قریب قریب یہی اصول اب مغرب کی کتابوں میں بھی بیان ہونے لگے ہیں۔"(۳)

ادبی تحقیق میں اصول فن روایت اور درایت کی اہمیت

ادبی تحقیق میں بھی اصول فن روایت اور درایت کی ضرورت پڑتی ہے۔زبانی اور سینہ در سینہ جو مواد اکٹھا کیا جاتا ہے جتنی روایتیں فراہم ہوتی ہیں ان کی صداقت اور سچائی کے پیمانے بھی اصول تحقیق ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی شخصیت کا انٹرویو یا کسی شخصیت کے کہے ہوئے الفاظ یا دیے گئے بیانات اور ان سے متعلق مختلف روایتوں کو انھیں اصولوں کی کڑی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کے بعد تحقیقی مقالہ جات کا حصہ بنایا جاتا ہے۔

حواشی

حاشیہ لفظ حشو سے مشتق ہے۔ کسی بھی متن کا وہ خالی حصہ جو متن سے باہر ہوتا ہے حاشیہ کہلاتا ہے۔حاشیہ،حواشی اور تحشیہ ان تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔یہ تینوں متن سے متعلق ہیں۔اگر تحقیق کے حوالے سے یا تدوین متن کے بارے میں بات کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ متن میں موجود کسی نام، مقام، یا کسی اندراج پر مزید معلومات دینے اور وضاحت کرنے کو حاشیہ کہتے ہیں۔

حاشیہ نگاری ایک سنجیدہ عمل ہے۔حواشی متن کے بارے میں تشریحات وتوضیحات اور مزید معلومات کے لیے لکھے جاتے ہیں، جنھیں پڑھ کر قاری کو متن پڑھنے اور سمجھنے میں مزید آسانی پیدا ہوتی ہے۔حواشی میں محقق یا مدون ان کتابوں، رسالوں اور معلومات کو جمع کرتا ہے جو کہ متن سے تعلق رکھتی ہیں۔

حواشی لکھنے کے کئی طریقے ہیں، صفحہ کے درمیان میں نیچے، یا اطراف میں یا باب کے آخر میں درج کیے جاتے ہیں۔حاشیہ میں شرح کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔اس میں مختلف چیزوں یا افراد یا کتب کے بارے میں بھی معلومات مہیا کی جاسکتی ہیں۔

ضمیمہ / تعلیقات نویسی

ضمیمہ کسی کتاب کے آخر میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہ متن کے حوالے سے مزید معلو
فراہم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ ترتیب متن میں ضمیمے کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنا کہ دور
تحقیقی مقالات میں ہو سکتی ہے۔ تعلیقات اور ضمیمے دراصل محقق کی ذہنی اور علمی استعداد کی
دہی کرتے ہیں کہ وہ کس کس انداز میں کتنے استدلال اور استناد کے ساتھ متن میں مو
وضاحت طلب باتوں کو زیر بحث لاتا ہے۔ علیقات کے مندرجات کے بارے میں پروفیسر
نذیر احمد لکھتے ہیں:

"ان مندرجات کے امور تاریخی، ادبی، لغوی، فرہنگی ہوتے ہیں اور
اصل متن کتاب میں بعض ایسے امور مذکور ہوتے ہیں جن کی توضیحات
سے کتاب کی اہمیت وافادیت میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات
عدم توضیحات کی بنا پر اصل مفہوم تک رسائی نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر جدید
تحقیق میں تعلیقات نگاری وحواشی نویسی تنقید متن کا لازمہ سمجھی جاتی
ہے۔" (۴)

تعلیق نویسی ایک معلوماتی اور تحقیقی کام ہے جو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو صاحب
مطالعہ ہو۔ اس کے لیے دیگر علوم اور کئی زبانوں پر دسترس حاصل کرنا ضروری ہے۔ کسی ار
کے متن میں اگر فارسی کا شعر یا قول آگیا تو اس کے بارے میں وضاحت وتشریح وہی کرے گا
جو کہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ فارسی زبان بھی جانتا ہوگا۔

تعلیقہ ان اضافی معلومات کو کہتے ہیں جو محقق مزید وضاحت کے طور پر شامل تحریر
چاہتا ہے۔ الفاظ مقامات، افراد، نگارشات، افکار وغیرہ ایسے مقامات ہیں جہاں تشر
ووضاحت کی ضرورت ہو سکتی ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ تعلیقات میں بلا وجہ
غیر ضروری معلومات کا انبار لگا دینے سے بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ قاری ایک حد تک اپنے ذ
سلیم کے مطابق معلومات چاہتا ہے۔ (۵)

تعلیقات کے صفحات یا ضخامت کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ کم

الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کر دی جائیں۔

فرہنگ سازی

فرہنگ میں تخلیقی متن میں شامل مشکل الفاظ، محاورات تراکیب، دوسری زبانوں کے فقرے، جملے ان کے معنی کتاب کے آخر میں دے دیے جاتے ہیں۔ یہ تمام اندراجات الف بائی تقسیم سے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ متروک الفاظ یا تبدیل شدہ املا والے الفاظ کی وضاحت بھی فرہنگ میں کی جاتی ہے۔ فرہنگ میں کسی متن میں شامل وہی معنی دیے جاتے ہیں جو زیرِ متن میں مراد لیے گئے ہوں، لغت کی طرح تمام معنی نہیں دیے جاتے۔

ترقیمہ نگاری

ترقیمہ کو انگریزی میں کلفون (Colophon) کہا جاتا ہے۔ بعض اس کے لیے انجامہ یا پایانہ کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں مگر اردو میں زیادہ تر ترقیمہ ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

ترقیمہ سے مراد وہ عبارت ہے جو کہ قلمی نسخہ لکھنے والا قلمی نسخہ کے اختتام کے بعد اس نسخہ کے مکمل ہونے کے متعلق کچھ نہ کچھ تحریر کرتا ہے۔ اس میں کاتب کا نام، لکھائی یا کتابت کی تاریخ وغیرہ جیسی معلومات لکھی جاتی ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسے کس نے کس دن مکمل کیا۔

علم تحقیق میں مخطوطہ شناسی کے حوالے سے ترقیمہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔عارف نوشاہی ترقیمہ کے درج ذیل اجزا کو اہم قرار دیتے ہیں:

۱۔تاریخ کتابت

۲۔کاتب کا نام

۳۔مقام کتابت

۴۔نسخہ لکھوانے کا نام / فرمائش کرنے والے کا نام

۵۔نسخہ منقول عنہ کی نشاندہی

(۶)

تاریخ کتابت اگر سن عیسوی کے ساتھ ساتھ سن ہجری بھی لکھ دیا جائے تو زیادہ بہتر

ہوگی۔اس تاریخ کو اس دن وقوع پذیر ہونے والے کسی اہم واقعے کے ساتھ بھی جوڑا جا
ہے۔اس کے لیے حروف اور ہندسوں دونوں طریقوں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔
بعض کاتب اپنے نسخے کو دوبارہ نقل کر کے لکھتے ہیں، ترقیمہ میں اس حوالے سے
معلومات شامل ہوسکتی ہیں، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ نسخہ پہلے کس تاریخ کو لکھا گیا اور
اسے دوبارہ نقل کرنے کی نوبت آئی۔

تخریج

تخریج سے مراد لینا، حاصل کرنا، نکالنا اور خارج کرنا کے ہیں۔خرج، خروج، تخریج
اخراج وغیرہ۔خرج کے لفظ ہی سے خرچ بن گیا ہے۔جس کی جمع کے لیے ہم روزمرہ معاملات
میں اخراجات کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔اسی سے لفظ استخراج بنا ہے
استخراج سے مراد خارج کرنا، اخذ کرنا، دلیل سے نتیجہ اخذ کرنا۔ (۷) اسی طرح شان
الحق حقی کے نزدیک تخریج سے مراد استنباط کرنا، نتیجہ نکالنا، اشعار، احادیث وغیرہ کا اصل حوالہ
تلاش کرنا، کے ہیں۔ (۸)

تحقیق میں تخریج کا کام شروع ہی سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔تخریج سے مراد کسی متن
میں موجود قرآنی آیات، احادیث، اقوال، تلمیحات یا وہ اشعار یا مصرعے ہیں جنھیں متن کی
تشریح یا مضمون کی مناسبت کے حوالے سے متن میں شامل کیا گیا ہو، وہ ادھورے ہوں اور ان
کا حوالہ بھی موجود نہ ہو۔تو انھیں حواشی اور حوالہ جات کے ساتھ مکمل کر کے لکھنا تخریج کہلاتا
ہے۔تخریج کا کام نہ صرف یہ کہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے بلکہ کسی متن میں اس کی تصحیح کرنا اور
اس کی حاشیے میں وضاحت کرنا، تحقیق کی اصل غرض وغایت ہے۔

مصنفین بعض اوقات اپنے کلام یا نثری متن میں زور اور فصاحت وبلاغت پیدا کرنے
اسے زیادہ علمی اور دلچسپ بنانے کے لیے دوسرے شعرا کا کلام، قرآنی آیات، احادیث یا
اقوال کو درج کرتے ہیں۔ان کے متن سے اِن تمام تحریروں کو الگ کر کے ان کی نشاندہی کرنا
اوران کے مصادر کو تلاش کرنا تحقیقی حوالے سے اہمیت کا حامل ہے اور یہ عمل تخریج کا عمل کہلاتا
ہے۔جس کی مدد سے متن کی صحت کا معاملہ حل ہوجاتا ہے۔

تخریج کے بغیر ہم متن میں درست قول، واقعے یا اشعار تک نہیں پہنچ پائیں گے او
تخریج کا کام وہی محقق سرانجام دے سکتا ہے جو صاحب مطالعہ ہو اور جس کا زبان پر مکمل عبور
ہے، علم عروض کا پتہ ہو اور علم بیان پر قدرت رکھتا ہو۔ وہی ان ادھورے اقوال، آیات،
حدیث، اشعار یا اقتباسات کو درست کر سکتا ہے، اس کے علاوہ دیگر زبانوں سے واقفیت رکھنا
بھی تخریج میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ بعض اوقات اردو متن میں فارسی اشعار حوالے کے طور
پر شامل کر دیے جاتے ہیں یا قرآنی آیات اور احادیث کا عربی متن دیا جاتا ہے اسے عربی
فارسی جاننے والا ہی سمجھ سکتا ہے اور اس کی تحقیق کر سکتا ہے۔

تخریج کی مدد سے جہاں متن میں پائی گئی کمزوری اور کمی دور ہو جاتی ہے وہاں قاری کو
صحیح قرأت کے حوالے سے سہولت ہو جاتی ہے اور وہ نامکمل معلومات کے بجائے صحیح اور مکمل
معلومات سے فیض یاب ہوتا ہے۔

بعض اوقات املا کی غلطی کی وجہ سے بھی تخریج کی ضرورت پڑتی ہے جیسے لغت کو نعت لکھ
دیا جائے، جہات کو جہالت لکھ دیا جائے۔

تخریج ایک ایسا کام ہے جس میں ذمہ داری، سنجیدگی اور نیک نیت سے متن میں تنقیدی
صلاحیت سے کام لے کر اپنے تحقیقی اور استخراجی فرائض سرانجام دیے جاتے ہیں۔ مختلف فن
پاروں اور متون پر اس قسم کا کام ہوتا رہے تو اس سے غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ اور قاری
ہی متن کے ذریعے درست حقائق پہنچتے ہیں۔

حوالہ جات

بحوالہ، ڈاکٹر گمل، آزادی سے قبل اردو تحقیق، نئی دہلی، ایم آر پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء، ص

۲۔ تنویر احمد علوی' ڈاکٹر، متن اور روایت متن مشمولہ آزادی کے بعد دہلی میں اردو تحقیق

ڈاکٹر تنویر احمد علوی، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۹۸

۳۔ غلام مصطفیٰ' ڈاکٹر، فن تحقیق، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق جلد، اول مرتبہ ایم سلطانہ

مقتدرہ قومی زبان'

۱۹۶،۱۹۵ بحوالہ ڈاکٹر اکمل، ص ۴۔

۵۔ عطش درانی' ڈاکٹر، اصول ادبی تحقیق (تکنیکی امور) لاہور، نذیر سنز ایجوکیشن

۲۰۱۱ء، ص ۳۹۱

۶۔ عارف نوشاہی، مترجمہ ڈاکٹر عصمت درانی: ترقیمہ نگاری کا ایک عمدہ نمونہ

معیار، شعبہ اردو اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، شمارہ ۱۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۴ء، ص

۷۔ شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ء، ص ۱۴۱

۸۔ ایضاً، ص ۲۸۶

اشاریہ / فہرست / کتابیات / کیٹلاگ

کتابیات:

کتابیات کتابوں کی فہرست کو کہا جاتا ہے۔ مگر یہ فہرست کوئی عام سی فہرست نہیں ہوتی جسے
بھی طریقے سے بنا دیا جائے بلکہ کتابیات سے مراد ایک مخصوص نظام کے تحت اور طریقے
سے کتابوں، ان کے مصنفین، شائع کرنے والے اداروں اور سن اشاعت کے بارے
معلومات فراہم کرتی ہے۔

یہ ایک ایسی فہرست جسے الف بائی ترتیب کے ساتھ مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا
ہو۔

"ہر وہ کتاب جس میں کتابوں کی فہرست ایک خاص ترتیب سے درج کی گئی ہو اور ایک خاص مقصد پورا کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے کتابیات کہلائے گی۔"(۱)

کتابیات عموماً مقالہ جات کے آخر میں ان کتابوں، رسالوں، اور اخبارات پر مشتمل ہوتی ہے جس سے اُس مقالے کی تکمیل میں مدد لی گئی ہو۔

کتابیات کسی بھی تحقیقی کتاب یا مقالے کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ یہ ان کتابوں کی الف بائی ترتیب سے فہرست ہوتی ہے جن کی مدد سے وہ کتاب یا مقالہ لکھا گیا ہو۔ مستند کتابوں پر مشتمل کتابیات مقالے کے معیار اور مقدار کو جانچنے کا ایک پیمانہ بھی ہوتی ہے۔ کتابیات کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

"کتابیات کو ماخذ یا مصادر بھی کہتے ہیں لیکن آسان لفظ کتابیات کو ترجیح دینی چاہیے یہ کتاب کے آخر میں اشاریہ سے پہلے ہوتی ہے اگر اشاریہ نہ ہو تو کتابیات ہی آخری جزو ہوگی۔"(۲)

کسی بھی موضوع پر تحقیقی کام کرنے سے پہلے یا اس پر کام کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس موضوع سے متعلق کتب، رسائل، اخبارات اور دیگر اشیاء کا مطالعہ کرلیا جائے تاکہ موضوع کی حدود و قیود اور وسعت کا تعین کیا جاسکے۔ اسے سب سے پہلے اس بات کو یقینی بنانا ہوتا ہے کہ اس کے موضوع سے متعلق کتب اس کی پہنچ اور رسائی میں ہیں۔ اگر مطلوبہ کتب تک اس کی پہنچ ممکن نہ ہو تو اس موضوع پر کام کرنے کا حق ادا نہیں کیا جاسکے گا۔ ایم سلطانہ بخش کے بقول:

"کسی بھی شعبہ علم میں کتابیات کی تدوین دستاویزی تحقیق کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کتابیات کے بغیر ذخیرۂ علم خاموش ہے۔۔۔ محقق کی کسی موضوع کے بارے میں ایک ہی مقام پر کتب اور دیگر معلوماتی ذرائع کے اندراجات مل جاتے ہیں۔ اس طرح وہ خود اس محنت و مشقت سے بچ جاتا ہے جو اس کو ان کی تلاش میں کرنا پڑتی۔"(۳)

کتابیات تحقیق کا ایک اہم اور اولین جزو ہے جس کے بغیر کوئی بھی تحقیقی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ تحقیقی کتابیات سے شروع ہوتی ہے اور کتابیات ہی پر ختم ہوتی ہے۔ ان کے درمیان میں جو کچھ بھی ہے وہ انھی دو مراحل کے گرد گھومتا ہے۔ تحقیق ایک سائنسی علم ہے جس میں سائنسی اور منطقی انداز میں محقق مختلف مدارج طے کرتا چلا جاتا ہے۔ تمام علوم میں کتاب کو مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ کتاب کے بغیر علوم کو نہ تو تادیر محفوظ کیا جاسکتا اور نہ آگے منتقل کیا جاسکتا ہے۔

فہرست:

فہرست مختلف اشیاء کو کسی ایک مربوط طریقے سے اکٹھا کرنے اور انھیں کسی خاص ترتیب سے پیش کرنے کا نام ہے۔ فہرست مخطوطات کی بھی ہوسکتی ہے، کتابوں کی بھی رسائل کی بھی اور جات کی بھی۔ کیٹلاگ سازی کے فن کو اہمیت ملی تو اس کے ساتھ ساتھ فہرست سازی کا فن بھی ترقی کرتے کرتے سائنٹیفک ہوتا گیا۔

مخطوطات کی فہرست سازی کا کام انیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوگیا تھا جب چارلس استوارٹ نے ٹیپو سلطان کی لائبریری اور اسپرنگر نے شاہان اودھ کی لائبریری کی کتابوں اور قلمی مخطوطات کی فہرست سازی کا کام مکمل کیا تھا۔ (۴) مخطوطات کی فہرست سازی کا خیال سب سے پہلے سرسید احمد خان کے ذہن میں آیا لیکن وہ اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ (۵) انجمن ترقی اردو نے اس کام کو اہم سمجھتے ہوئے اس پر توجہ مرکوز کی۔ پروفیسر محمد سجاد بیگ دہلوی نے ۱۹۲۳ء میں بیس سالہ محنت کے بعد ۸۱۶ صفحات کی فہرست "الفہرست" کے نام سے مرتب کی۔ الفہرست کے بعد مولوی عبدالحق نے ۱۹۶۱ء میں قاموس الکتب کی پہلی جلد شائع کی۔ (۶)

کتب خانہ رام پور کی فہرستیں، حیدرآباد دکن کے مخطوطوں کی فہرستیں، اسلامیہ کالج پشاور کی فہرستیں، جائزہ مخطوطات اردو کے عنوان سے مخطوطات کی فہرستیں پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطات کی فہرستیں، پنجاب پبلک لاہور کی کتابوں کی فہرستیں، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری میں موجود مخطوطات کی فہرستیں، ذخیرۂ شیرانی کی فہرستیں اہمیت کی حامل ہیں۔

فہرست نگاروں میں مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر محمد بشیر، مشفق خواجہ، مولانا

... غلام حسین، پروفیسر منظور احسن عباسی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔
... کے حوالے سے بہت سا کام ہو چکا ہے۔ اور تقریباً ہر ادارے نے اپنی کتابوں
... تیار کر لی ہیں۔
... کسی بھی کتاب یا مقالہ کے شروع میں اس کے مواد کے حوالے سے پائے جانے
... معلومات کی فہرست بھی شامل کی جاتی ہے تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ کتاب
... عنوانات پر مشتمل ہے۔

کیٹلاگ:

کیٹلاگ کا زیادہ تر تعلق کتب خانوں اور لائبریریوں سے ہے۔ کیٹلاگ لائبریری میں موجود کتب، رسائل اور اخبارات کے بارے میں معلومات کا خزانہ فراہم کرتی ہے۔ پہلے کیٹلاگ کارڈوں پر مشتمل ہوتی تھی، آج کل کمپیوٹرائزڈ کیٹلاگ کا بھی رواج ہے۔ جو روایتی کیٹلاگ سے زیادہ کارآمد اور معلومات افزا ہے۔ کیٹلاگ کی درج ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ مصنف کیٹلاگ: جس کیٹلاگ میں مواد کی فہرست مصنف کے نام کی بنیاد پر بنائی جائے مصنف کیٹلاگ کہلاتی ہے۔ مصنف کی حیثیت سے بنائی گئی کیٹلاگ میں حروف تہجی کے اعتبار سے مصنف کے نام کے کارڈ بنے ہوتے ہیں۔

۲۔ کیٹلاگ کی دوسری قسم نام کے حساب سے بنائی جاتی ہے۔ یہ کیٹلاگ مصنف کے نام اور کتاب کے عنوان کو بیک وقت ایک ہی فہرست میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ البتہ اس میں مضمون کے حساب سے فہرست صرف شخصیات اور گروہی کام کے حوالے سے شامل ہوتی ہے۔ یہ کیٹلاگ میوزیم اور نمائش گھروں تک محدود ہے۔

۳۔ تیسری قسم موضوعاتی کیٹلاگ ہے۔

۴۔ چوتھی قسم موضوعی ترتیب کی بنیاد پر بنائی جاتی ہے۔

۵۔ پانچویں قسم ڈکشنری کیٹلاگ میں مصنف، عنوان، موضوع، ریفرنس اور سیریز تمام حروف تہجی کے اعتبار سے ایک ہی جگہ جمع کر دیے جاتے ہیں۔

۶۔ چھٹی قسم کلاسیفائڈ کیٹلاگ میں موضوعات کو کسی خاص گروہ بندی کے اعتبار سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ خاص گروپ بندی کتاب کے عنوان یا مصنف کے

بجائے کتب کا جو نمبر دیا گیا ہے اس کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

۷۔ ساتویں قسم حروف تہجی کے اعتبار سے کلاسڈ کیٹلاگ میں بنیادی طور پر موضوع کے اعتبار سے گروپ بندی کی جاتی ہے۔لیکن ہر بڑے موضوع کے چھوٹے چھوٹے ذیلی گروپ بنادیے جاتے ہیں۔

۸۔ آٹھویں قسم منقسم کیٹلاگ وہ ہوتی ہے جس میں ڈکشنری کیٹلاگ کے تمام مندرجات کو الگ الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کے ایک حصے میں اہم اور عمومی فہرست رکھی جاتی ہے۔ (۷)

کیٹلاگ سازی ایک اہم سرگرمی ہے۔اگر کیٹلاگ ہو تو لائبریری سے کتابیں تلاش کرنا آسان ہوتا ہے۔محمد اصغر لکھتے ہیں:

"کتب خانہ اور کیٹلاگ ہمیشہ لازم وملزوم رہے ہیں، کیونکہ کیٹلاگ ہی کتب خانہ کی کلید ہے، جس کے استعمال سے کتب خانے کے مواد کا دروازہ کھل سکتا ہے۔" (۸)

کیٹلاگ کا سب سے اہم مقصد کتب خانہ میں موجود مواد کے بارے میں قاری یا محقق کو کتابیاتی معلومات فراہم کرنا ہے۔

اشاریہ / کتابیات / فہرست / کیٹلاگ میں فرق

اشاریہ سازی، فہرست سازی، کیٹلاگ اور کتابیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور ان میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

اشاریہ ایک نظر میں کتاب یا رسالے میں مضمون، مصنف، تصنیف، مقام، یا کسی بھی مطلوبہ چیز کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ مطلوبہ مواد کس صفحہ پر موجود ہے۔

کتابیات الف بائی ترتیب سے کتب کی فہرست ہوتی ہے جو کہ ان تمام کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے کہ جن سے کہ کسی تحقیقی کتاب یا مقالے میں استفادہ کیا گیا ہو۔ کتابیات کا بڑا مقصد قاری کو حوالہ جاتی کتب کے استعمال کے لیے آسانی دینا ہے۔ اس کو مکمل ہونا چاہیے تاکہ حوالہ شدہ کتاب تلاش کی جا سکے۔کتابیات میں دی گئی کتابوں کے معیار سے کام کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا نہ کہ مقدار سے۔ (۹)

فہرست کتب کی بھی ہو سکتی ہے اور دیگر مختلف اشیاء کی بھی۔ فہرست سازی لائبریری کے
لیے نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ جدید کیٹلاگنگ بھی فہرست سازی ہی کی جدید
شکل ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ کسی لائبریری یا شعبہ میں کتنی کتب موجود ہیں۔

وضاحتی کتابیات

کتابیات کتابوں کی موضوع یا مصنف یا کسی اور حوالے سے بنائی گئی الف بائی ترتیب
سے فہرست کا نام ہے اور اگر اس کتابیات میں شامل کتابوں کے مندرجات کی تحقیقی انداز میں
وضاحت کردی جائے اور اس حوالے سے اضافی معلومات بھی حواشی و تعلیقات میں دے دی
جائیں تو اسے وضاحتی کتابیات کہتے ہیں۔ کتابیات سنین، مصنفین یا موضوعات کے حوالے
سے ترتیب دی جاتی ہے۔

کتابیات کے حوالے سے اختر راہی کی مرتب کردہ کتاب نامۂ شبلی اہمیت کی حامل ہے
جس میں مولانا شبلی سے متعلق تمام کتابیات دی گئی ہیں۔ سر سید احمد خان، مولانا حالی، اقبال،
اور غالب کے حوالے سے کتابیات کی بہت سی جلدیں سامنے آچکی ہیں۔ مقتدرہ قومی زبان
نے اس حوالے سے اچھا خاصا کام کیا ہے کہ کئی مشاہیر کے حالات زندگی اور ان کے حوالے
سے شائع ہونے والی کتابوں کی فہرستیں تیار کروائی ہیں مگر یہ وضاحتی نہیں ہیں۔

وضاحتی کتابیات سے مراد کسی شخصیت پر شائع ہونیوالی کتابوں کی فہرست اور اس میں ہر
کتاب کا جائزہ اور توضیح بھی شامل ہے۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کی مطبوعات توضیحی کتابیات انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی
سے شائع ہونے والی ۲۴۰ کتابوں کی وضاحت اور تشریح پر مبنی مقالہ ہے جو کہ ۲۰۰۶ء میں انجمن
ترقی اردو سے شائع ہوا۔

وضاحتی فہرست

فہرست کتابوں، رسالوں یا مخطوطوں کی تیار کی جاتی ہے جس میں کتابوں، ان کے
مصنفین اور اشاعت کے حوالے سے معلومات شامل کی جاتی ہیں اگر فہرست میں شامل کتابوں
رسالوں یا مخطوطوں کے مندرجات یا ابواب کی تفصیل تحقیق و تنقید کے حوالے سے دی گئی ہو تو
اسے وضاحتی فہرست کہا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الطاف شوکت، نظام کتب خانہ، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۳ء، ص ۳۷

۲۔ گیان چند ڈاکٹر، تحقیق کا فن، ۲۰۰۷ء، طبع سوم، ص ۳۱۸

۳۔ ایم سلطانہ بخش ڈاکٹر (مرتب)، اردو میں اصول تحقیق، اسلام آباد، ورڈ وژن
پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۰

۴۔ محمد طاہر قریشی، ص ۱۲ بحوالہ احمد مشتاق، اردو میں وضاحتی کتابیات، مشمولہ اردو دنیا
نئی دہلی، جلد ۹، شمارہ ۲، فروری ۲۰۰۷ء، ص ۱۷

۵۔ حالی، حیات جاوید، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۱ء، بار دوم ص ۳۲۳

۶۔ عبدالحق، مولوی، مقدمہ قاموس الکتب، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۱ء
)(بحوالہ محمد طاہر قریشی، ص ۱۲

۷۔ اسلم ادیب ڈاکٹر، تحقیق کی بنیادیں، لاہور، بیکن بکس، بار دوم ۲۰۰۲ء
ص ۱۰۰ تا ۱۰۲

۸۔ محمد اصغر، علم کتب خانہ و معلومات، تکنیکی پہلو، لاہور، اکادمی انتظامیات کتب خانہ
و معلومات، ۲۰۰۰ء، ص ۱۴۱

۹۔ ایس ایم شاہد، تحقیقی خاکے کی تیاری یا تحقیقی تجویز، مشمولہ، اردو تحقیق (منتخب
مقالات) مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۶

تدوین

تحقیق کی طرح تدوین بھی ایک ایسی سرگرمی کا نام ہے جس سے ہم پرانے نسخوں، ملفوظات اور علم وادب کے چھپے ہوئے خزانوں کو سامنے لاتے ہیں اور ان کو ترتیب دے کر ماضی کے ادب کا رشتہ موجودہ ادب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، یا زبان کی نشوونما اور لسانی رشتوں کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہیں۔

متن

متن اس عبارت کو کہتے ہیں کہ جسے آسانی سے پڑھا جا سکے اور قرأت کے دوران اس کی تفہیم ہو سکے۔ متن سے ہم تاریخ یا ماضی سے تعلق رکھنے والی وہ عبارت مراد لیتے ہیں جس کی ترتیب مقصود ہو۔ جسے دریافت کیا گیا ہو اور جو تحقیقی اہمیت کی حامل ہو۔

تدوین متن

تدوین متن کا تعلق بھی تحقیق سے ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس کے بغیر زبان وادب کی تاریخ نامکمل رہتی ہے۔

قدیم علمی ذخائر کسی بھی قوم کے لیے ایک ایسا اثاثہ ہوتے ہیں جو کہ کئی صداقتوں اور روایتوں کے حامل ہوتے ہیں اور جن سے تحقیق کرنے والوں اور سیکھنے والوں کو بہت سا مواد ملتا ہے۔ بقول رشید حسن خاں:

> "حقائق کی بازیافت، صداقت کی تلاش حقائق کا تعین اور ان سے نتائج کا استخراج ادبی تحقیق کا مقصود ہے یا ہونا چاہیے، تدوین یعنی متن کی تصحیح وترتیب اُس سے الگ ایک چیز ہے، جس کے اپنے مسائل

دومطالبات ہیں تحقیق اور تدوین بجائے خود دو مستقل موضوع ہیں، ہاں
یہ ضرور ہے کہ اُن کی حدیں کہیں کہیں مل جاتی ہیں۔ تحقیق کا لفظ عام
طور سے اِن دونوں پر حاوی سمجھا جاتا رہا ہے، مگر یہ اچھا خاصا غلط
مبحث ہے۔"(۱)

تحقیق میں تدوین متن کا کام بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ پرانے مخطوطات اور
نسخے تلاش کر کے ان کی تدوین کرنا ان کے متن کو اسی انداز سے ترتیب دینا جیسا کہ مصنف
کے ذہن میں رہا ہو ایک تکنیکی اور فنی کام تو ہی ہے مگر اس میں بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلات
سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر کسی قدیم متن کی ترتیب وتدوین ممکن ہوتی ہے۔

متن اور اس میں موجود الفاظ وتراکیب کی تفہیم کے لیے صحیح طور پر ترتیب وتدوین کا
مقصد زبان وادب کی اس کڑی کو محفوظ کرنا ہوتا ہے جو کہ زبان وادب کی ارتقائی منزلوں کے
نقوش کو واضح کرتی ہے۔ بقول گیان چند:

"تدوین کے معنی متفرق اجزا کو اکٹھا کر کے ان کی شیرازہ بندی کرنا
ہے۔ شعرا کے مجموعہ کلام کو اسی لیے دیوان کہا گیا کہ ان میں غزلیں اور
نظمیں جمع کی جاتی ہیں۔"(۲)

یعنی تدوین سے مراد شعر ونثر سے متعلق بکھرے ہوئے مواد کو یک جا کر کے ایک جگہ
اکٹھا کرنا کے ہیں۔

کچھ املائی متن ہوتے ہیں ایک شخص بولتا جاتا ہے اور دوسرا لکھتا جاتا ہے اب اگر وہ جو
کچھ سنتا ہے وہی لکھتا بھی جاتا ہے تو اسے تقلیدی متن کہنا زیادہ مناسب ہے۔ بعض متون
سماعی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی صدیوں تک سینہ در سینہ اور زبان بہ زبان ہوتے ہوئے تحریری
شکل میں سامنے آتے ہیں۔ (۳)

سینہ در سینہ آنے والے متن کو تحریر کرتے وقت مصنف اپنی طرف سے بھی اس میں کچھ
شامل کر سکتا ہے لہٰذا اس میں احتیاط لازم ہے کہ متن کی صداقت کیا ہے۔

تدوین متن میں فراہمی متن، ترتیب متن، تصحیح متن، تحقیقی متن، تنقید متن اور توضیح متن
(تحشیہ) کی اہمیت ہوتی ہے۔

متن اور منشائے مصنف

ترتیب و تدوین میں زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی متن ترتیب دیا جائے اس کی ترتیب وتدوین میں مصنف کی منشا کیا رہی ہوگی، منشائے مصنف کے حوالے سے کسی متن کو ترتیب دینا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

"تدوین کا مقصود ہے کسی متن کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کرنا جس طرح مصنف نے اسے آخری بار لکھا تھا۔ اسے متن کی حقیقی شکل کی بازیافت کا عمل بھی کہا جاسکتا ہے اور اسے منشائے مصنف کی بازیافت بھی کہہ سکتے ہیں یہ بات شروع ہی میں واضح ہو جانا چاہئے کہ تحقیق اور تدوین میں بنیادی حیثیت منشائے مصنف کی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ تحقیق اور تدوین کے نقطۂ نظر سے متن ہمیشہ مصنف کی ملکیت رہتا ہے۔"(۴)

مصنف نے جس انداز میں عبارت، اقتباسات کو بنایا، جس طرح الفاظ کو استعمال کیا اسی طرح ان کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے متن کو ترتیب دینا چاہئے:

تصنیف مصنف کے افکار، معتقدات اور اس کے خاص انداز کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ خیالات کو الفاظ کے واسطے سے پیش کیا جاسکتا ہے لفظ کثیر المعنی ہوسکتا ہے، اس لحاظ سے عبارت کثیر المفہوم ہوسکتی ہے اور کثیر الجہت بھی۔ مرتب کا یہ کام نہیں کہ وہ ان تمام مفاہیم کا یا جہتوں کا تعین کرے جن کو اس متن سے وابستہ کیا جاسکتا ہے مگر اس کو الفاظ کے متعلقات کا اور بیان کی تہہ نشین وسعتوں کا یعنی وسیع امکانات کا عرفان ضرور ہونا چاہئے۔ اگر وہ امکانات کی وسعت سے کم آشنا ہے تو یہ اس کے منصب کے منافی ہے۔"(۵)

یعنی اسے الفاظ اور اس کے تمام مفاہیم سے آشنائی ہو جو کہ ممکنہ طور پر اس لفظ سے وابستہ ہوسکتے ہوں تبھی وہ منشائے مصنف کا خیال رکھ سکتا ہے۔ وہ تمام رشتے اور انسلاکات جو کہ معنی و مفہوم کے ان الفاظ سے ہوسکتے ہوں اس کی نظر میں ہوں اور دسترس میں ہوں تبھی وہ

ایک کامیاب مدون ہو سکتا اور متن کو صحیح طور پر ترتیب دے سکتا ہے۔ تدوین میں شرح
لغت سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

دو متنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے متنی نقاد کو قدم قدم پر مختلف قراتوں کا سامنا
یعنی ایک متن میں عبارت کچھ ہے اور اسی مقام پر دوسرے میں کچھ اور ہمیں
چاہیے کہ جس نسخے پر ہم کام کر رہے ہیں یہ اگر مصنف کا سب سے پہلا مسودہ نہیں تو
ہے یعنی مصنف نے پہلے مسودہ نقل کیا ہوگا۔ اور اگر مصنف کا نسخہ نہیں ہے تو نقل در نقل
کا پورا پورا امکان کہ اصل نسخے اور ہمارے نسخے کے درمیان بے شمار نسخے رہے ہوں، یعنی
در نقل ہوتی رہی ہو۔(۶)

تدوین کا مقصد متن کو منشائے مصنف کے مطابق یا اس سے قریب ترین صورت
پیش کرنا ہے۔(۷) یہی تدوین کا مقصد ہے اور یہی غرض و غایت۔

مرتب کو متن کے کسی حصے کو بدلنے یا اس میں کوئی تبدیلی لانے کا اختیار ہرگز حاصل
کیونکہ متن مصنف کی ملکیت ہے۔ اس لیے نہ اسے کم کیا جا سکتا ہے نہ زیادہ، مرتب
حوالے سے قاری کا خیال نہیں کرتا بلکہ مصنف کے مقصد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ شعر یا متن
اگر ایک لفظ بھی بدل دیا جائے چاہے وہ مترادف ہی کیوں نہ ہو اس سے شعر کی بلاغت
آ جائے گی اور اس کا تنوع بھی متاثر ہوگا۔

تصحیح متن

تدوین میں بنیادی اہمیت مدون کی نہیں اور نہ ہی معنی و مفہوم کی ہے بلکہ اصل اہمیت
الفاظ کی ہے جو کہ متن میں مصنف نے استعمال کیے ہیں۔ کیونکہ الفاظ ہی کے ذریعے
پیش کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے معتبر متن اور کلام کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور
ساتھ اس کے املا کو بھی جو کہ مصنف نے خود استعمال کیا ہے، اسے دور جدید کے
تقاضوں کے مطابق بدلنا درست نہیں۔

لکھائی کا قدیم انداز کیسا ہے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے املا اور کتابت کو
زمانے کی املا اور کتابت کے مطابق پرکھنا چاہیے، اپنی طرف سے اس میں کوئی
جائے۔ اگر لکھنے والے سے غلطی ہوئی ہے اور کتابت کی غلطی ہے تب بھی اس کی

حواشی میں کردی جائے۔ اصل متن کو نہ چھیڑا جائے۔

تحشیہ متن:

متن کی اختلافی صورتوں کی وضاحت کرنا تحشیہ متن کہلاتا ہے۔ حاشیہ نگاری تدوین متن اور ترتیب متن میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ قدیم زبان میں املائی اصول وضوابط نہیں تھے، لکھنے والے اپنی مرضی سے کسی بھی طرح لکھ لیتے تھے اور عموماً الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رواج تھا، اس بات کو ذہن میں رکھا جائے، اور تدوین متن میں اسی املا کو برقرار رکھنا مناسب ہوگا۔ حاشیے میں متن اور اس کے مندرجات کے حوالے سے دوسری علمی وادبی معلومات بھی دی جاسکتی ہیں۔

حاشیہ نگاری ایک متنوع کام ہے جس کی تحدید نہیں کی جاسکتی۔ اس کا انحصار مدون کی اپنی ذہنی اور فکری قابلیت اور علمی استطاعت پر ہوتا ہے۔

تعلیقاتِ متن:

تعلیقات متن اور تحشیہ نگاری میں کئی باتیں مشترک ہیں، مگر تعلیقات نگاری کے حاشیہ نگاری سے الگ تقاضے ہیں۔ تعلیقات نگاری مدون کی علمی اور مطالعاتی اہلیت سے تعلق رکھتی ہے۔ متن کے حوالے سے کئی مباحث اور اضافی باتیں ہوتی ہیں جنھیں متن سے ہٹ کر بیان کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ متن کے ساتھ ساتھ ان حقائق کو بھی سامنے رکھا جائے تو متن کی وضاحت زیادہ بہتر انداز میں ہوسکے گی۔

کسی بھی متن کے حوالے سے تہذیبی، سماجی یا ثقافتی حوالوں سے مختلف مباحث لازمی ہوں گے جنھیں تعلیقات متن میں شامل کیا جائے گا۔ بعض اوقات متن کی عبارت سے کسی جغرافیائی یا تاریخی حالات کی طرف اشارہ ملتا ہے، ان اشارات کو تعلیقات میں بیان کیا جائے گا۔ بہت سے فکری اور فنی مباحث بھی توجہ طلب ہوتے ہیں جنھیں متن میں شامل نہیں کیا جاسکتا مگر تعلیقات کے ذریعے ان کی وضاحت ضروری ہے۔

بعض شعراء اور مشاہیر کے کلام یا متن میں اس وقت کی تاریخی، مذہبی یا سیاسی شخصیات کا تذکرہ ملتا ہے تو ان کے بارے میں تمام تر معلومات تعلیقات میں دی جائیں گی۔

اصلاح املا اور تلفظ

وقت کے ساتھ ساتھ کسی بھی زبان کے املا اور رسم الخط میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی
ہیں۔اس کے علاوہ مختلف علامات میں بھی تغیر آجاتا ہے۔اس لیے متن میں املا اور تلفظ کے
حوالے سے مسائل سامنے آتے ہیں۔جنھیں کوشش کرکے قدیم ترین نسخے یا مصنف کے اصلی
نسخے کی مدد سے دور کیا جاتا ہے۔

املا اور الفاظ کی ساخت کے معاملے میں بعض محققین قیاس کی بات کرتے ہیں مگر قیاس
کا دائرہ اتنا وسیع نہ ہو کہ املا یا الفاظ میں ردوبدل ہو جائے۔قیاس اس وقت کام میں آتا ہے
جب کسی کاتب، خطاط یا خود مصنف سے املا کی غلطی ہوئی ہوگی قیاس یہ کہتا ہے کہ مصنف کچھ
اور لکھنا چاہتا تھا مگر نقطے یا کسی چھوٹی سے غلطی کی وجہ سے کچھ اور لکھا گیا، یہ متن کے تسلسل
سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں کون سا لفظ مصنف لکھنا چاہتا ہوگا۔جیسے نظر لکھنا چاہتا ہو
اور نذر لکھا گیا ہو۔اس حوالے رموز اوقاف بھی کا آمد ہو سکتے ہیں۔

اگر متن کے حوالے سے کوئی نئی باتیں شامل کرنی ہوں تو انھیں ضمیمہ جات میں شامل کیا
جاسکتا ہے۔یہ ضمیمہ جات متن کو سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ان ضمیمہ جات میں متن کی
تشریحات کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

رموز اوقاف، اعراب اور مختلف علامات کا استعمال متن کی قرأت میں سہولت فراہم
کرسکتا ہے۔تدوین میں الفاظ کی شکل وصورت کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔کہ یہ لفظ کیا
لکھا گیا ہوگا اور اس کا درست املا کیا ہے؟ بعض اوقات ایک جیسے املا والے الفاظ میں ابہام
پیدا ہو جاتا ہے اس ابہام کو دور کرنے کے لیے قرأت اور جملے کی ساخت سے مدون اندازہ
لگانے کی کوشش کرتا ہے کہ مصنف نے لفظ کو کس مفہوم میں استعمال کیا ہوگا۔جیسے
سحر (جادو)۔سحر (صبح)،علم،عَلَم، پر(اوپر)۔پَر (اڑنے والے)۔

الفاظ کی لسانی حیثیت، ان کی نوعیت اور لغوی ومعنوی حوالے سے تفہیم ترتیب متن میں
اہمیت کی حامل ہے۔املا اور قرأت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔بقول تنویر احمد علوی:

"جب لسانی، تحقیقی یا علمی سطح پر تفحص وتجسس کے نتیجے میں کسی لفظ کی
قرأت کا تعین ہو جائے اور اس کے معنی کی تفہیم میں کوئی اشکال باقی نہ
رہے تو اسے تحقیقی تعین کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔"(۸)

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شاعر کے کلام میں دوسرے شاعر کا کلام شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شاعر کے کلام میں دوسرے شاعر کے کلام کے اجزا کو بھی علیحدہ کرنا مدون کے لیے ایک اہم کام ہے۔ اسی طرح اس کے مختلف نسخوں کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔ علامات کے علاوہ تشدید، کاما اور مخففات کا استعمال بھی اہمیت کا حامل ہے۔ الفاظ کو معنوی مفہوم کے حوالے سے استعمال کرنا احسن سمجھا جاتا ہے۔

"الفاظ کو خواہ ان کی حیثیت اصطلاحی الفاظ کی کیوں نہ ہو، معنوی تعینات کے ساتھ استعمال کرنا، ہم میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کوئی قابل توجہ اہمیت نہیں رکھتا۔ عدم تعین کا یہ رجحان دراصل شعری زبان کا عطیہ ہے۔ شروع ہی سے ہمارے ذہنوں پر شاعری کی زبان، خاص کر غزل کی زبان کا غلبہ رہا ہے۔۔۔ جس چیز کو زبان کی شاعری کہا جاتا ہے، جس میں محاورے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔" (۹)

سرسید احمد خاں نے اردو میں سب سے پہلے تحقیق کی طرف توجہ دی۔ انھوں نے قدیم متون کی ترتیب و تدوین کر کے اپنا نام اردو محققین میں شمار کر لیا۔ جام جم، آثار الصنادید، خطبات احمدیہ سرسید کی ایسی تصانیف ہیں جن میں تحقیقی رجحانات پائے جاتے ہیں۔۔ تاریخ فیروز شاہی، آئین اکبری اور تزک جہانگیری کے متون کی انھوں نے تصحیح و ترتیب کی۔ یہیں سے تحقیق و ترتیب کی شروعات ہوتی ہے۔ (۱۰)

مولوی عبدالحق نے قدیم متون کی باقاعدہ ترتیب تدوین کا آغاز کیا۔ انھوں نے بہت سے پرانے مخطوطات کو تلاش کر کے انھیں تدوین اور طباعت کے مراحل سے گزارا۔

تحقیق و تدوین میں حافظ محمود شیرانی اور امتیاز علی خاں عرشی (۱۹۰۴ء۔۱۹۸۱ء) کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ امتیاز علی خاں عرشی نے تدوین کے حوالے سے جو خدمات سرانجام دی ہیں انھوں نے اردو میں تدوین کو وہ اصول دیے جن پر آگے جا کر تدوین کی عمارت کھڑی ہوئی۔

"اردو میں جس طرح ادبی تحقیق کے روایت ساز شیرانی صاحب ہیں اسی طرح تدوین کی روایت اپنی معیاری اور مثالی شکل میں مولانا امتیاز

علی خاں عرشی کی مرہون منت ہے عرشی صاحب نے جو کام کیے ان
کاموں نے تدوین کے اصولوں کو اور طریق کار کو روشناس کرایا۔ان
کی مرتبہ کتابوں میں مکاتیب غالب، دستور الفصاحت، تاریخ محمدی،
اور دیوان غالب ،یہ کتابیں معیاری اور مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ان
کتابوں نے اردو میں تدوین کی روایت کی تشکیل کی، اسے نشوونما بخشا
اور قدیم متنوں کی تصحیح وترتیب کے جو طریقۂ کار ہوسکتے ہیں ، ان کو
روشناس کرایا۔"(۱۱)

خارجی وداخلی شواہد

متن کو پڑھتے وقت اور اس کے حوالے سے حقائق کو سامنے لاتے وقت متن کے اندر
سے ملنے والے حقائق کو داخلی شواہد کہا جاتا ہے، زبان، محاورات یا املا کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ
کرنا کہ یہ متن کس دور سے تعلق رکھتا ہے۔ داخلی شواہد کے ساتھ ساتھ خارجی شواہد کے طور پر
دوسرے متون میں اس حوالے سے شواہد بھی اکٹھے کیے جاتے ہیں۔

تحقیق میں داخلی شواہد کا تعین بھی ہمیں حافظ محمود شیرانی سے ملا، اس حوالے سے انھوں
نے واقعات اور ان کے ربط اور دور، افراد کو ملحوظ خاطر رکھا۔اس کے ساتھ ساتھ الفاظ کو بنیادی
اہمیت دیتے ہوئے انھوں نے تحقیق کی کہ کون سے لفظ کا تعلق کس دور سے ہے،اس بات سے
تحقیقی حوالے سے کئی مسائل کو سمجھنے میں انھیں کامیابی ملی۔

تنقید متن:

تدوین متن کے حوالے سے تنقید متن کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔اس میں متنی شواہد
ماخذات اور مصادر کی بات کی جاتی ہے۔ متنی شواہد ہم ان شواہد کو کہتے ہیں جو کہ متن کے حوالے
سے ہمیں دوسرے متون میں ملتے ہیں۔ تذکروں، سوانح عمریوں، مکاتیب اور شاعری کی
کتابوں یا دیوانوں میں تنقید متن کے بارے میں اور متنی شواہد کے حوالے سے کافی مواد ملتا
ہے۔

اسی طرح اگر ہم تذکروں اور ادبی تاریخوں کا مطالعہ کریں تو ان میں دوسرے کئی شعرا
اور ان کے کلام کے حوالے سے مواد مل جاتا ہے۔

تحقیق متن:
تحقیق میں متن کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ متن کو سامنے رکھ کر اس میں موجود
تحقیق کی جاتی ہے اور اس کے بارے میں شواہد اکٹھے کیے جاتے ہیں۔
تحقیق متن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور اساسی اہمیت رکھتے ہیں

متن کی ہیئت (حدود) کا تعین
الحاق واضافات کی نشان دہی جس کے ذیل میں تصرفات کا مطالعہ بھی آتا ہے
متن کے گم شدہ سلسلوں کی بازیافت
متنی حقائق کی جستجو اور چھان بین
ترتیب
متن کے نقطہ نظر متنی ہیئت کی دو بہت ہی واضح صورتیں سامنے آتی ہیں۔

منضبط متن
منتشر متن

(۱۲)

منضبط متن کی ہیئت کا تعین ہو سکتا ہے اس کے مقابلے میں غیر منضبط یا منتشر متن وہ ہے
جس کے اجزا منتشر ہوں اپنی تمام اور اصل صورت کے ساتھ موجود نہ ہوں۔
سب سے پہلے تو متن کے موضوع اور اس کی ہیئت کا تعین کیا جاتا ہے۔ متن منظم بھی
ہو سکتا ہے اور منتشر حالت میں بھی دونوں صورتوں میں اس کی ترتیب میں تحقیقی عوامل کو سامنے
رکھا جاتا ہے۔ منتشر متن کو ترتیب دینے میں بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔
منتشر متن میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ حصے گم ہو گئے ہوں، متن کے ان گم شدہ حصوں
کو تلاش کرنا، ان کی جستجو میں تحقیقات کرنا اور حقائق کی چھان بین کرنا بنیادی اہمیت کا حامل
ہے۔

متن کے گم شدہ حصوں کی تلاش کے لیے متن کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھا جاتا ہے۔
یا دوسرے متون سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ اگر کسی دیوان سے کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہے تو اسے
مختلف رسائل اور تذکروں میں تلاش کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔
اسی طرح قلمی بیاض اور منتخب نسخے میں بھی فرق ہو سکتا ہے، منتخب متن میں بہت سی ایسی
چیزیں شامل نہیں ہوتیں جو کہ قلمی بیاض میں موجود ہو سکتی ہیں۔

تحقیقِ متن میں متنی حقائق اور متنی روایتوں کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے۔ تحقیقِ متن میں غ
متون اور غلط روایتوں کی نشان دہی بھی ضروری ہوتی ہے۔

تاریخِ متن:

متن میں سب سے پہلے اس بات کو دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا دور کون سا ہے، یہ
کس تاریخ کو لکھا گیا، کب لکھنا شروع کیا گیا اور کب اس کی تکمیل ہوئی۔

تاریخِ متن میں تاریخ کے تعین کے ساتھ ساتھ ایک اہم چیز متن کی کتابت بھی
بعض نسخوں کی ابتدا یا اختتام مین قطعہ تاریخ لکھ دیا جاتا ہے جس سے یہ تاریخ معلوم ہو
ہے کہ اسے کب شروع کیا گیا یا مکمل کیا گیا یا لکھا گیا۔ بعض اوقات دیباچے میں بھی متن کی
کی تاریخ کو واضح کر دیا جاتا ہے۔

اکثر اوقات کاتب حضرات بھی لکھنے کی تاریخ ڈال دیتے ہیں جس سے پتہ چل سکتا
کہ یہ متن کب کتابت کیا گیا۔

اسی طرح کتاب کے آخر میں لکھا گیا ترقیمہ بھی متن لکھنے کی تاریخ کے تعین میں مد
ہے۔

اگر تاریخِ متن کے حوالے سے داخلی شواہد نہیں ملتے تو پھر خارجی ذرائع استعمال کر
ہوں گے۔ اس میں سنین کا تعین اور زمانی حوالے سے اس کے عہد کا پتہ چلانا ایک اہم تحقیقی
سرگرمی ہے۔ جو کہ تدوینی عمل کے لیے ضروری ہے۔ اس سلسلے میں تذکروں، تاریخوں
خطوط کا مطالعہ بھی اہم ہو سکتا ہے۔ قدیم دور کے اخبارات یا قلمی رسائل کے متن سے بھی
کا تعین ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بعض شعراء کا کلام اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

مدون کے اوصاف

تدوین کا کام تحقیق وتنقید اور دوسرے علوم وفنون سے الگ ایک ایسا کام ہے جس میں مہارت بھی چاہئے اور دلچسپی بھی۔ یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جسے اس کام سے لگاؤ ہے۔ اس کام کو تفریحاً یا وقتی شوق کے تحت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے ایک خاص قسم کا انداز نظر اور اہلیت وقابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کہ سب محققین میں نہیں ہوں، بلکہ یہ فن اور مہارت کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔ تدوین کے کام کی ضرورت واہمیت اور سند وصداقت سے اس کے تعلق کی وجہ سے ایک مدون میں درج ذیل اوصاف کا ہونا نہایت ضروری ہے۔:

۱۔ مدون کو پرانے علوم سے واقفیت ہونی چاہئے۔

۲۔ چونکہ تدوین میں زیادہ تر واسطہ عربی فارسی کے متون سے بھی پڑتا ہے لہٰذا مدون کو ان زبانوں پر عبور ہونا چاہئے۔ کیونکہ اکثر تذکروں اور تاریخی کتابوں میں متن فارسی زبان میں ملتا ہے۔

۳۔ قدیم ادب اور پرانی کتابوں، مخطوطوں اور تذکروں سے گہرا شغف رکھتا ہو کیونکہ تدوین میں انھیں مطبوعات اور تخلیقات سے واسطہ پڑتا ہے۔

۴۔ تدوین کرتے وقت مذکورہ مصنف کے دور اس کے خاندان، اس کے اساتذہ اور اس کے شاگردوں کے بارے میں بھی معلومات رکھتا ہو۔

۵۔ جس دور کے متن کی تدوین مقصود ہو اس دور کے سماجی اور تاریخی حالات کا مطالعہ کیا ہوا ہو اور اس دور کے معاصر ادب پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔

۶۔ مدون رسم الخط، املا اور رموز واوقاف، تشبیہ استعارہ، الفاظ وتراکیب کے بارے

میں اچھا خاصا علم رکھتا ہو۔

اس دور کی زبان اور زبان میں رائج ان الفاظ سے آگاہی رکھتا ہو جو کہ آج کل متروک ہو چکے ہیں۔

۷۔ چونکہ تدوین میں کلیات اور دواوین بھی مرتب کرنے پڑتے ہیں، شعری متون پڑھنے پڑتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ مدون علم عروض میں مہارت رکھتا ہو، اسے وزن، بحر کا صحیح ادراک ہو۔ کیونکہ اشعار پر مبنی متن کی تدوین میں کئی اشعار میں الفاظ وتراکیب مٹی ہوئی ہوتی ہیں تو قیاس کے ذریعے متن کی تصحیح کرنے کے لیے بھی اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ اس جگہ پر کون سا اور کس وزن کا لفظ آئے گا۔

قطعہ تاریخ کا متن اسی وقت درست طور پر لکھا جا سکے گا جب بحر پر عبور حاصل ہو۔

۸۔ زیادہ تر مخطوطات دکنی دور کے حوالے سے موجود ہیں، اس دور کے متون کی ترتیب وتصحیح کے لیے ضروری ہے کہ مدون دکنی زبان سے واقف ہو۔

۹۔ مختلف اصناف ادب اور اصناف کی ہیئتی تشکیل کے بارے علم رکھتا ہو۔

۱۰۔ علم بدیع، اور تاریخ گوئی کے فن سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

۱۱۔ مثنوی، مرثیہ اور دیگر اصناف کے ضروری لوازم جانتا ہو۔ مثنوی میں جشن ولادت، سواری، تقاریب وغیرہ کی ترتیب سے واقفیت رکھتا ہو۔

۱۲۔ فرہنگ سازی کے علم سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

۱۳۔ داستان کی تدوین کے سلسلے میں قصہ نگاری، موسیقی اور داستان میں تہذیبی رنگ نگاری کی اہمیت سے واقف ہو۔

۱۴۔ کسی تذکرے کے متن کی تدوین کے وقت ضروری ہے کہ اُس دور کے دیگر تذکروں کو بھی سامنے رکھے اور تصحیح کے لیے قیاس سے کام لینے کے عمل سے واقف ہو۔

حوالہ جات

۱۔رشید حسن خاں، ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ لکھنو، اتر پردیش اردو کادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۱

۲۔گیان چند ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء، طبع سوم، ص ۳۹۸

۳۔ڈاکٹر تنویر احمد علوی، متن اور روایت متن مشمولہ آزادی کے بعد دہلی میں اردو تحقیق مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۹۴، ۹۵

۴۔رشید حسن خان، تدوین، تحقیق۔روایت، دہلی، ایس اے پبلیکیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۴۲

۵۔ایضاً، ص ۴۳، ۴۴

۶۔ڈاکٹر خلیق انجم: بنیادی نسخہ مشمولہ آزادی کے بعد دہلی میں اردو تحقیق مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۲۷

۷۔رشید حسن خاں، منشائے مصنف کا تعین، مشمولہ تدوین متن کے مسائل، خدابخش لائبریری جرنل پٹنہ، شمارہ ۱۶، ۱۹۸۱ء، ص ۳۴

۸۔تنویر احمد علوی، اصول و ترتیب متن، ص ۲۰۶

۹۔رشید حسن خان، تدوین، تحقیق۔روایت، ص ۱۷۳

۱۰۔محمد اکمل، آزادی سے قبل اردو تحقیق، نئی دہلی، ایم آر پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۳۳

۱۱۔رشید حسن خان، تدوین، تحقیق۔روایت، ص ۷۹

۱۲۔علی گڑھ میں اردو تحقیق، علی گڑھ میگزین ۲۰۱۰ء، خصوصی شمارہ، ایڈیٹر محمد عمران خان، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۸۷

دستاویزات اور مخطوطہ شناسی

مخطوطہ شناسی کا کام اردو تحقیق میں بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مخطوطہ شناسی کے علم کے بغیر دستاویزی تحقیق کے مراحل طے کرنا اور حقائق تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے تحقیق کو مستند بنانے اور اس حوالے سے دستاویزات کو تلاش کر کے ان کی اصلیت اور دور کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہمیشہ تحقیقی منشا و مقصد رہا ہے۔ تحقیق میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر کسی مخطوطے پر کام ہو رہا ہے تو اس مخطوطہ کا مکمل تعارف پیش کیا جائے، اس کے تعارف کے لیے تحقیقی مدارج کا خیال رکھا جائے، کوئی بھی بات بغیر سند کے نہ کی جائے اور یہ بھی خیال رہے کہ معلومات قیاس آرائی پر مبنی نہ ہوں۔ مبالغہ اور قیاس آرائی سے تحقیق کو کوئی سروکار نہیں۔

مخطوطہ کئی قسم کا ہو سکتا ہے، قلمی نسخہ بھی ہو سکتا، بیاض بھی ہو سکتی ہے اور قلمی کتاب بھی۔ مخطوطہ کے بارے میں سید جمیل احمد رضوی لکھتے ہیں:

> ''ایسی دستاویز جو خطی ہو یا ٹائپ کی ہو (اس میں کاربن کی کاپیاں بھی شامل کی جاتی ہیں)۔ اس میں خطوط، تاریں، روزنامچے، رسیدیں وذاتی حالات، فہرستیں، اجلاس کی روئیدادیں، معاہدے، ٹیکس کے ریکارڈ قانونی سرٹیفکیٹ، (متعلقہ پیدائش، موت، شادی وغیرہ)، ادبی کتب، تقاریر اور دوسری دستاویزات کے اصل مسودات جو شخصیات یا افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔''(۱)

مخطوطہ یا دستاویزات جن سے ایک محقق کو دوران تحقیق واسطہ پڑ سکتا ہے وہ درج ذیل ہو سکتی ہیں:

خطی نسخہ

ٹائپ کیا ہوا نسخہ

کاربن سے عکس لیا گیا نسخہ

قلمی نسخہ

خطوط

روزنامچے

معاہدے،

اشٹام پیپر

مختلف سرٹیفیکیٹ

برتھ سرٹیفیکیٹ

ڈیتھ سرٹیفیکیٹ

مقبرے کے کتبے

رسیدیں

سکے

تحقیق کے دوران مواد اکٹھا کرنے میں مندرجہ بالا اقسام کے مختلف مخطوطات اور دستاویزات حاصل ہوتے ہیں، اب اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ یہ پتہ چلایا جائے کہ ان میں سے درست اور صحیح الاصل مخطوطات یا دستاویزات کون کون سی ہیں۔

بقول ڈاکٹر حسن اختر ملک:

"اگر ایسا نسخہ مل جائے جسے مصنف نے خود دیکھا ہے یا خود اسے تحریر کیا ہے تو وہ سب سے زیادہ مستند ہوگا، مگر استناد کے یہ درجے مواد ملنے پر متعین کیے جاتے ہیں۔"(۲)

سب سے پہلے تو یہ پتہ چلانا ضروری ہے کہ نسخہ کتنا پرانا ہے اس کو جاننے کے لیے کتابت اور رسم الخط کی مختلف ادوار کے حوالے سے تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔ کیونکہ ایک دور کے مخطوطات یا قلمی و عکسی دستاویزات کو اُس دور میں رائج طریقِ کتابت، اندازِ خطاطی اور رسم الخط سے پہچانا جا سکتا ہے کہ اس مخطوطہ کا تعلق کس دور سے ہے۔ اسی طرح املا اور لفظوں کے لکھنے کے طریقے سے بھی کسی مخطوطے کو پہچانا جا سکتا ہے کہ اس کا تعلق کس دور سے ہے۔

معروف کاتبوں اور خطاطوں کے کام کے بارے میں محقق کو پہلے سے معلوم ہو
بھی کسی مخطوطے کی شناخت میں کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔

سب سے پہلے مخطوطے کا سرورق اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ کاتب بعض اوقات سرورق ہی پر اس قسم کی عبارت لکھ چھوڑتا ہے کہ جس سے اس کی قدامت کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

روشنائی کی پہچان بھی مخطوطہ شناسی میں کارآمد ثابت ہوتی ہے، کیونکہ مختلف کاتب مختلف ادوار میں مختلف قسم کی روشنائی استعمال کرتے رہے ہیں۔

کاغذ شناسی بھی اس حوالے سے دور کا تعین کرنے میں مدد دیتی ہے، کیونکہ ہر دور میں اپنے اپنے انداز کا کاغذ استعمال ہوتا رہا۔ظاہر ہے کہ جو آج کل کاغذ استعمال ہورہا ہے وہ آج سے دو سو سال پہلے نہیں رہا ہوگا۔اسی طرح مخطوطہ شناس کاغذ کی کہنگی سے بھی کاغذ کے پرانے ہونے اور اس کے دور کے تعلق کا پتہ چلا سکتا ہے۔

پرانے مخطوطوں کو پڑھنا ایک دشوار کام ہوتا ہے کیونکہ کئی سو سال پرانے مخطوطات اتنے شکستہ اور خستہ ہو چکے ہیں کہ انھیں پڑھنا تو درکنار کھولنا بھی بڑا مشکل ہوتا ہے، اس میں بھی اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ کہیں کاغذ پھٹ نہ جائے۔

دکنی مخطوطوں کے حوالے سے سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

''وہ محققین بھی جنھوں نے سالہا سال دکنی ادب پر کام کیا ہے، ان قدیم مخطوطات کے مطالعے میں دقت محسوس کرتے ہیں کیونکہ کاغذ کی کہنگی، زبان کی اجنبیت اور خط کی قدامت کے باعث جگہ جگہ ناطقہ سربگریباں ہوجاتا ہے۔''(۳)

کیونکہ ان مخطوطوں میں کاتبوں نے جو گل کھلائے ہوئے ہوتے ہیں ان سے پڑھنے میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔قلمی نسخوں کے زمانے کے تعین کے بارے میں ڈاکٹر حسن اختر ملک لکھتے ہیں:

''قلمی نسخوں کے زمانے کا تعین بے حد ضروری ہے اگر کسی شاعر کے ایک سے زیادہ دواوین ہوں تو زمانی تعین اور بھی ضروری ہوجاتا ہے

ورنہ شعروں سے نتائج اخذ کرتے ہوئے غلطی کا امکان رہتا
ہے"۔(۴)

اس زمانی عہد کا تعین بہتر تو یہی ہے کہ تمام مواد سامنے رکھتے ہوئے اور حقائق کی روشنی
میں کیا جائے۔

اس دور کے حوالے سے استعمال ہونے والا کاغذ، قلم اور روشنائی، ہر عہد کے قلم، کاغذ
اور روشنائی مختلف ہوتے ہیں۔

محقق کو مخطوطے کے متن سے مکمل طور پر آگاہی کے لیے اس کی قرأت کو ممکن بنانا ہوتا
ہے۔ اس حوالے سے اس مخطوطہ کا عہد اور اس کے پس منظر کے بارے میں ضروری حقائق
جمع کرنا ازحد ضروری ہیں۔

بعض اوقات مخطوطے میں کوئی بے معنی یا مٹا ہوا لفظ آجاتا ہے اس بے معنی لفظ کی جگہ
مصنف نے کیا لکھا ہوگا اس کا پتہ چلانا تحقیق کی ذمہ داری ہے مگر اسے قیاس کی مدد سے مکمل
کر دینا بھی درست نہیں اس سے تحقیق کے مزید دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

بعض اوقات متن میں تصرفات کی وجہ ان متون میں املا کی غلطی بھی بنتی ہے، املا کی غلطی
کی وجہ سے لفظ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا رہا ہوگا۔ بعض اوقات بے احتیاطی بھی متن میں کسی خلا کا
سبب بن جاتی ہے۔

یورپ میں متن کی تحقیق کے لیے جدید فورنسک آلات استعمال ہو رہے ہیں۔ اس میں
انفرا ریڈ شعاعوں کو عکس میں تبدیل کرنے والا آلہ (انفرا ریڈ امیج کنورٹر)، دوچشمی خوردبین
(بائی نوکلیر مائیکروسکوپ) جس میں دوگنا سے لے کر چالیس گنا تک چیز کو بڑا کر کے دکھانے
کی صلاحیت کا تغیری عدسہ (زوم لینس) لگا ہو۔(۵)

انفرا ریڈ مشین کی مدد سے ہم متن سے مٹائی گئی عبارت یا الفاظ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ دو
قسم کی روشنائی کو الگ الگ کر کے دکھاتی ہے کیونکہ ہر روشنائی الگ الگ کیمیکل سے بنی ہوتی
ہے، روشنائی کا رنگ ایک بھی ہو تب بھی ان میں کیمیکل کے فرق کو انفرا ریڈ کی مدد سے الگ
الگ دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی قسم کے آلات گاڑیوں کے رجسٹریشن نمبروں کی تصدیق کے لیے
بھی استعمال کیے جاتے ہیں جنھیں کھرچ کر یا اسی قسم کی روشنائی کی مدد سے تبدیل کیا گیا ہو۔

محقق کو چاہیے کہ اسے تنقید اور ترتیب وتدوین کے فن سے آشنائی ہو تا کہ وہ
ترتیب وتدوین میں کسی قسم کے مسائل کا شکار ہو تو اپنے مسائل کو بہتر طریقے سے حل کر
اہلیت رکھتا ہو۔اس کے بعد وہ بہتر طور پر کسی مخطوطہ یا متن کو ترتیب دے کر اسے
سے گزار سکتا ہے۔

تنقید کے ساتھ ساتھ اسے علم لسانیات، علم مسکوکات، علم بیان، علم عروض، قافیہ ورد
سے بھی شناسائی ہونی چاہیے۔یہ بھی ایک محقق کے لیے ضروری امر ہے تبھی وہ
مخطوطے کو بہتر طور پر جان سکے گا۔

مخطوطہ شناسی یا دستاویزات کو سمجھنے کے لیے مختلف علوم کے ساتھ ساتھ قدیم اور
زبانوں سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ادوار میں قواعد اور الفاظ
استعمال سے واقف ہو، خاص طور پر متروک الفاظ سے آگاہی اسے کئی حقائق اور نئی معلو
تک پہنچا سکتی ہے۔
استخراج کا علم بھی اس مقصد کے لیے کارگر ثابت ہوتا ہے۔

حافظ محمود شیرانی، مولانا امتیاز احمد عرشی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، قاضی عبد
رشید حسن خان جیسے محققین مخطوطہ شناسی، کاغذ شناسی میں اہمیت کے حامل ہیں۔قدیم مخطوطا
اور متون کو سامنے لانے اور انھیں تدوین کے مراحل سے گزارنے والوں میں مقالات
ڈاکٹر محمد باقر کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

حافظ محمود شیرانی

حافظ محمود شیرانی اپنے علمی وادبی سرمائے کی وجہ سے اپنے ہم عصروں اور بعد میں آ
والے محققین میں ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے مخطوطہ شناسی، سکہ جات
مخطوطات کے حوالے سے وہ ذخیرہ اکٹھا کیا کہ کسی فرد کے حوالے سے جس کی نظیر ملنا مشکل
ہے۔ انھوں نے تن تنہا وہ کام کیا جو اداروں اور تنظیموں کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور
انھوں نے مخطوطوں اور سکوں کے حوالے سے کئی مضامین بھی لکھے۔ مقالات حافظ محمود
شیرانی جلد ہشتم کے حصہ سوم میں ان کے چار مضامین سکہ جات کے بارے میں ہیں۔ پہلا
مضمون سکہ جات قدیمہ کے عنوان سے ہے جو کہ ماہنامہ خیالستان میں اپریل ۱۹۳۰ء شائ

...اس مضمون میں سکہ کی ابتدا، اسلامی سکہ، بغیر نام کا سکہ، مختلف اسلامی ممالک اور ...دانوں کے سکے، سنی شیعی سکوں کا فرق، ورم ودینار، زبانیں، میکی سکے، عربی اور دیوناگری اور تصویری سکوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

دوسرا مضمون پہلی صدی ہجری میں عرب عمال کے ایرانی مسکوکات۔ جو کہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں فروری ۱۹۴۰ء اور مئی ۱۹۴۰ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں عبداللہ ابن عامر بن کریز، عبداللہ بن زیاد، مسلم ابن زیاد کے دور کے سکے، ٹکسالوں پر نوٹ پہلوی خط کی اشکال، فہرست عربی اور سلسانی مسکوکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا مضمون نمائش مخطوطات ومسکوکات کے حوالے سے ہے جو کہ اورینٹل کالج میگزین لاہور میں نومبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں طلائی سکوں اور نقرئی سکوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی کا مخطوطات کے حوالے سے ایک اہم کام دیوان غالب کا مخطوطہ ہے جو کہ غالب کے اپنے ہاتھ سے اصلاح شدہ ہے جو کہ حافظ محمود شیرانی کے ہاتھ لگ گیا اور یہ شیرانی کے ذخیرۂ کتب میں شامل تھا جو کہ شیرانی نے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا تھا۔

غالب کی صد سالہ برسی پر دیوان غالب کے دو نسخے: نسخہ حمیدیہ اور نسخۂ شیرانی مستند سمجھے جاتے تھے۔ نسخۂ حمیدیہ بھوپال کی حمیدیہ لائبریری سے غائب ہو چکا ہے۔ اس کے مندرجات نسخۂ حمیدیہ مرتبہ مفتی انوار الحق اور دیوان غالب مرتبہ مولانا عرشی سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں نسخہ شیرانی کی تسوید عمل آئی ۔۔۔ نسخہ بھوپال کے حاشیوں اور بین السطور میں جو ترمیمیں اصلاحیں اور اضافے ہیں نسخۂ شیرانی کا متن اس کے مطابق ہے نیز غالب نے سفر کلکتہ کے آغاز میں دو غزلیں جو باندے سے کہہ کر بھیجی تھیں وہ بھی اس کے حاشیے میں درج ہیں۔ (۶)

مجلس ترقی ادب لاہور نے نسخہ شیرانی کا عکس شائع کیا ہے، جس کی وجہ سے اصل مخطوطہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ نسخہ شیرانی کے بارے میں سب سے پہلے مولانا عرشی اور قاضی عبدالودود نے لکھا اور معلومات فراہم کیں۔ (۷) نسخہ شیرانی میں حمیدیہ اصل سے زاید غزلیات ہیں۔ قدرت نقوی لکھتے ہیں:

"نسخۂ شیرانی کی اہمیت کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں کہ اس نسخے سے

نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ غالب کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت اس لیے
اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ گلِ رعنا اور حصہ اول دیوان جس نسخے سے مرتب
کیے گئے ہیں وہ شیرانی کا مثیل یا مسودہ تھا۔ معلومہ حد تک غیر حصہ اول
متن کی روایت اسی نسخے پر ختم ہو جاتی ہے اور متن کی آخری شکل اسی
میں محفوظ ہے۔"(۸)

حافظ محمود شیرانی نے مخطوطات اور مسکوکات کا ایک نادر ذخیرہ اکٹھا کیا ہوا تھا۔ نسخۂ شیرانی بھی اسی ذخیرے میں شامل ایک مخطوطہ ہے جو کہ تاریخی حیثیت اور قدر و منزلت کا حامل ہے۔ شیرانی صاحب کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بعض تحقیقی کتابوں پر تبصرے کر کے تحقیقی غلطیوں کی نشاندہی اس طرح کی کہ تحقیق کے بنیادی اصولوں کی بھی وضاحت ہو گئی۔(۹) ہم ان کے اندازِ تحقیق سے صحیح سمت میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

"پروفیسر شیرانی کا سب سے بڑا کارنامہ دیوان انوری کی رو سے
التمش کے دور کے ایک شاعر تاج ریزہ دہلوی کے قصائد کا تعین ہے۔
ان کی تحریر سے ایک شاعر کے مفقود کلام کی بازیافت ہوئی اور یہ معلوم
ہوا کہ دو شاعروں کے کلام کے گڈمڈ ہو جانے پر ان کی شناخت اور
ایک دوسرے سے الگ کرنے کے کیا اصول ہو سکتے ہیں۔"(۱۰)

حافظ محمود شیرانی مرحوم کا مطالعہ بلاشبہ بہت وسیع تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیرانی صاحب نے تحقیق سے متعلق جو علوم حاصل کیے تھے وہ کسی اور اردو محقق کو نصیب نہیں ہوئے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ زبان کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھیں سکہ شناسی، کتبہ شناسی اور مُہر شناسی پر دسترس تھی۔ قدیم کاغذ روشنائی، مخطوطے کی آرائش، نقش و نگار، کتابت اور خط کی شناخت پر انھیں قدرت حاصل تھی۔ تاریخی لسانیات پر ان کی گہری نظر تھی، اس سلسلے میں 'پنجاب میں اردو' ان کا شاہکار ہے۔(۱۱) وہ ایک ایسے محقق تھے جنھوں نے اردو زبان و ادب کے حوالے سے تحقیقی و تنقیدی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اردو تحقیق کے حوالے سے ان کے معیاری کام کو جتنا سراہا جائے وہ کم ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

"شیرانی تحقیق وتصنیف میں یک سو آدمی تھے۔ مآخذ کے وسیع اور گہرے مطالعے کی انھیں فرصت میسر تھی۔ ان کے سامنے کوئی ندوہ، کوئی مسلم لیگ، کوئی کانگریس نہیں تھی۔ بس اپنا ہی کام۔ تصنیف ومطالعہ!"(۱۲)

حافظ محمود شیرانی تحقیق میں تخریج کی مدد سے حقائق کو سامنے لائے اور انھوں نے مختلف متون کے حوالے سے درست تحقیق کر کے ان کے اصل مصنف کا سراغ لگایا اور سینہ در سینہ چلی آ رہی مختلف غلط باتوں کی ٹھوس دلائل کی مدد سے تردید کی اور لوگوں تک اصل صورت حال اور نتائج کو پہنچایا۔ تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

"پروفیسر حافظ محمود شیرانی اردو میں ادبی تحقیق کے وہ معلم اول ہیں جنھوں نے حقائق کے تجسس اور استخراجی واستقرائی نتائج کے اخذ و استنباط کے ہر مرحلہ میں تاریخی تناظر سے روشنی ورہنمائی حاصل کی اور معروضی طریق فکر دست گیری ونظر فروزی نے ان کی تحقیقی عیار گیری کے پیمانے کو بلند رکھا اور زیادہ صحیح اور وقیع نتائج تک پہنچایا۔"(۱۳)

پروفیسر شیرانی ادب کے مؤرخ اور محقق ہونے کے علاوہ عتیقیات کے بھی منفرد ماہر تھے۔ علم سکہ شناسی، نقش ونگار اور علم خط کی شناخت کے علاوہ اسالیب ادب سے گہری واقفیت رکھتے تھے اور اس مہارت کی وجہ سے تصنیفات کے تاریخی مغالطوں کو کامیابی سے دور کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان معاملات میں برصغیر پاک وہند میں صرف مرحوم استاد مولوی محمد شفیع ہی ایک ایسے شخص تھے جنھیں پروفیسر شیرانی کا ہم رتبہ سمجھا سکتا ہے۔(۱۴) حافظ محمود شیرانی کتابوں، مخطوطات، مسکوکات جمع کرنے کے شوقین تھے۔ جب ان کو کوئی نئی کتاب یا مخطوطہ ملتا تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی۔ وہ اپنی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ کتابیں خریدنے پر خرچ کرتے جس کی بدولت انھوں نے چند سالوں ہی میں ایک نادر ونایاب کتب خانہ ترتیب دے ڈالا تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"قیام انگلستان کے زمانے میں پروفیسر شیرانی نے قلمی کتابوں کے علاوہ قدیم مصوری، خطاطی اور دوسرے فنون کے نمونوں کی جانچ کا بڑا

تجربہ حاصل کیا قلمی کتابوں اور آثار قدیمہ کی شناخت کے بارے میں
ان کی نگاہ اس درجہ تجربہ کار اور شناسا ہوگئی تھی کہ وہ انباروں اور
طوماروں کے اوپر سے ہی نظر ڈال کر اپنے کام کی چیز نکال لیتے
تھے۔۔۔وہ عام خریدار نہ تھے بلکہ صاحب نظر تھے اسی لیے جب کبھی
انھیں کسی چیز کا پتہ چلتا جو ان کی تلاش کا موضوع ہوتی تو وہ آپے
سے باہر ہوجاتے تھے۔"(۱۵)

حافظ محمود شیرانی کو کتابیں، مخطوطات، مسکوکات اور تاریخی اشیاء جمع کرنے کا بہت شوق
تھا۔انھوں نے بہت بڑی تعداد میں چاندی، سونے اور تانبے کے سکے جمع کیے ہوئے تھے۔
انگلستان میں رہ کر قانون کی تعلیم تو مکمل نہیں کر سکے مگر انھوں نے مخطوطہ شناسی اور کتاب
کا ملکہ ضرور حاصل کرلیا۔شمس الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"شیرانی کو نہ صرف فارسی اور اردو زبان پر پورا عبور حاصل تھا، وہ
تمام اسلامی ممالک کی تاریخ سے بھی خوب واقف تھے اور خطاطی،
مصوری، نقاشی وغیرہ فنونِ لطیفہ میں بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ان کی
بصیرت اور ژرف نگاہی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات وہ کسی خطی نسخے کو
دیکھ کر ہی بتا سکتے تھے کہ اس کا کاغذ کس زمانے کا ہے، کتاب کا عہد
کون سا ہے اور کتاب کس مدرسۂ کتابت سے تعلق رکھتی ہے۔"(۱۶)

حافظ محمود شیرانی محققانہ مزاج رکھنے کی وجہ سے ہر مخطوطے، سکے کی تاریخ، عہد
ساخت کے بارے میں نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کرتے۔ہر مخطوطے کے کاغذ، رسم
اور کاتب کے حوالے سے گہری تحقیق عمل میں لاتے۔شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:

"آپ ہر نوشتہ ہر کاغذ اور رسم الخط کو دیکھ کر یہ بتا دیا کرتے تھے کہ
اس کا زمانہ کیا ہے اور یہ کس ملک یا سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔خطاطی
کے دقائق پر آپ کو اس درجہ عبور حاصل تھا کہ آپ کاغذ، روشنائی کی قلم
تذہیب اور آرائش کی خصوصیات سے اس کے زمانے بلکہ اس کے
لکھنے والے کا صحیح پتہ لگا لیتے تھے۔۔۔۔اس کے علاوہ قرآن مجید کے

رموز اوقاف اور دوسری علامتوں کے بارے میں آپ کا علم بے حد وسیع تھا آپ انھی علامتوں کو دیکھ کر کسی نسخۂ قرآن کی کتابت کا صحیح زمانہ متعین کر سکتے تھے۔" (۱۷)

حافظ محمود شیرانی نے مخطوطہ شناسی کے حوالے سے جو علوم حاصل کیے وہ آج بھی اس ...میں کارآمد ہیں۔ انھوں نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک بڑا حصہ اسی تحقیقی کاوش میں صرف کیا ...کی وجہ سے اردو میں تحقیق کے نئے اصول سامنے آئے۔

...وی عبدالحق

مولوی عبدالحق نے دکنیات کے حوالے سے گرانقدر تحقیقی وتنقیدی کام کیا۔ انھوں نے ...شعر وادب کی کتابیں، تذکرے اور مخطوطات تلاش کیے اور انھیں ترتیب وتدوین کے بعد ...ع کیا۔ ان پر تحقیقی مقالات اور مقدمات بھی لکھے۔ ان کی شائع کردہ کتابوں میں معراج ...شقین، ملا وجہی کی سب رس، قطب مشتری، نصرتی کی علی نامہ اور گلشن عشق شامل ہیں۔

معراج العاشقین کو انھوں نے دو نسخوں کے متن کی مدد سے اور اپنے پاس موجود دیگر ...دوں کی بدولت ترتیب دیا۔ ایک نسخہ انھیں ڈاکٹر محمد قاسم کے کتب خانے سے ملا جس کی ...ن دہی مولوی غلام محمد انصاری وفا نے کی، دوسرا ان کے ذاتی کتب خانے میں تھا دونوں کو ...ر ایک صحیح نسخہ مرتب کیا۔ (۱۸)

مولوی عبدالحق، تاریخی، منطقی اور استدلالی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیقی مراحل کو ...ے کرتے ہیں اور حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ...راج العاشقین حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی نہیں بلکہ ان کے کسی ہم عصر کی کتاب ہے جو کہ ...د میں معلوم ہوا کہ اس کے اصل مصنف مخدوم شاہ حسین بیجاپوری ہیں۔ (۱۹)

مولوی عبدالحق نے جتنے تذکرے تحقیقی چھان بین کے بعد مرتب کیے ان سب کے ...والے سے مختلف ماخذات کو سامنے رکھا اور شواہد وثبوت کو متن کے اندر سے تلاش کرنے کی ...وشش کرتے تھے۔

...یاز علی خاں عرشی (۱۹۰۴ء۔۱۹۸۱ء)

مولانا عرشی اردو کے علاوہ عربی فارسی پر عبور رکھتے تھے۔ ایک عرصہ تک وہ رامپور کے

ریاستی کتب خانے کے ناظم رہے۔ مولانا عرشی نے غالب کے خطوط بنام نواب یوسف علی خان ناظم اور نواب کلب علی خان ؛ "مکاتیب غالب" کے نام سے تدوین کر کے شائع کیے۔ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے فرہنگ غالب کے نام سے ایک اور کتاب کو ترتیب دیا جس میں فارسی قواعد اور لغات کی کتابوں کی فہرست بھی شامل کی گئی۔

دیوان غالب نسخۂ عرشی ان کا ایک اور تدوینی کارنامہ ہے۔ جس میں انھوں نے غالب کا تمام کلام جمع کر دیا۔ اور اسے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ اور اس پر ۲۷ صفحات کا پر مغز اور تحقیقی دیباچہ تحریر کیا۔ انھوں نے شاہ عالم ثانی کے فارسی اور اردو کے کلام کو "نادرات شاہی" کے نام سے اکٹھا کیا اور شائع کرایا۔ اس میں مختلف کتابوں سے انھوں نے شاہ عالم ثانی کے حالات بھی جمع کیے۔ اس کتاب کے مقدمے میں انھوں نے شاہ عالم ثانی کے حوالے سے اہم معلومات بہم پہنچائیں۔

عرشی کی غیر مطبوعہ تحریروں میں دیوان مومن، جس کی تدوین دیوان غالب کی طرز پر ہوئی، انتخاب ناظم، اشاریہ اودھ کیٹلاگ، خطاطی کی تاریخ، فہرست مخطوطات اردو کتب خانہ رضائیہ رام پور، تاریخ بابری، نفائس المآثر، تحفتہ الہند، باغ و دور، مسودۂ قاطع برہان، فصل الخطاب، دیوان الثمر وغیرہ شامل ہیں۔ (۲۰)

تدوین کے حوالے سے رشید حسن خان لکھتے ہیں:

"مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور مالک رام صاحب نے غالب کا اردو دیوان مرتب کیا ہے۔ مالک رام صاحب نے نسخۂ نظامی کو متن کی بنیاد بنایا ہے، اس لیے ان کی رائے میں مطبع نظامی کان پور کا چھپا ہوا دیوان، غالب کے اردو کلام کا آخری مستند اڈیشن ہے۔۔۔ اس کے برخلاف عرشی صاحب نے مطبع نظامی والے اڈیشن کو آخری مستند اڈیشن کا درجہ نہیں دیا۔۔۔ عرشی صاحب نے تو متعدد نسخوں کی مدد سے اپنا نسخہ مرتب کیا ہے، اس لیے ترجیح کا جواز ظاہر ہے۔ (۲۱)

عرشی صاحب نے دیوان غالب کی تدوین میں مختلف نسخوں کی مدد لی اور غالب کے لکھنے کے انداز اور مختلف الفاظ کے املا کو مدنظر رکھا۔ عرشی نے مقدمۂ دیوان غالب میں مختلف

مصرعوں کی وضاحت کی ہے، حواشی اور مقدمے کی وجہ دیوان غالب میں کئی اشعار اور مصرعوں کے حوالے سے قیاس اور حقائق سامنے آجاتے ہیں۔ جب کہ مالک رام نے دیوان غالب نسخہ عرشی میں ایسا کوئی مقدمہ یا حواشی درج نہیں کیے جس سے متن کی وضاحت ہوتی ہے۔

رشید حسن خان

رشید حسن خان اردو تدوین کے حوالے سے ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے اردو میں گرانقدر تدوینی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے فن تدوین جیسے دقیق اور مشکل کام کو اپنایا۔

رشید حسن خان کی تدوینی خدمات بے شمار ہیں۔ اردو تدوین میں انھوں نے جو اضافے کیے ہیں ان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ انھوں نے باغ و بہار کے اصل متن کو تلاش کر کے اس کی تدوین کی۔ ۱۹۶۳ء میں شروع کر کے ۱۹۶۴ء تک ایک سال میں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اس سلسلے میں ڈنکن باربس کے مرتبہ نسخے کے چوتھے اڈیشن کو اساسی نسخہ بنا کر تدوینی کام مکمل کیا۔ اس حوالے سے انھوں نے ۱۸۰۲ء، ۱۸۰۴ء، ۱۸۶۰ء کے نسخوں کو سامنے رکھا اور ان کے متون کا تقابلی جائزہ لے کر متن کی تدوین و ترتیب کی۔ ۱۸۰۴ء کے نسخے کو اساسی مان کر باقی نسخوں کو سامنے رکھ کر حواشی میں مباحث پیش کیے۔

انھوں نے باغ و بہار کے نسخے کی تدوین میں انتخاب متن کے اصولوں کو سامنے رکھا، کیونکہ جہاں ایک ہی متن کے چند نسخے مل جائیں تو وہاں تدوین میں دقت نہیں ہوتی بلکہ کسی ایک نسخے کو بنیاد بنا کر اسے نقل کر دیا جاتا ہے، مگر جہاں مختلف نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہو وہاں انتخاب متن کا مرحلہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ کس نسخے کو اساسی نسخہ قرار دیا جائے۔

رشید حسن خان تدوین میں جو انداز اپناتے ہیں اسے ہم معروضی اور سائنسی طرز کا کہہ سکتے ہیں۔ وہ خارجی شہادتوں کے ساتھ ساتھ داخلی شہادتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا متن ترتیب دیتے ہیں جو کہ منشائے مصنف کے بالکل قریب تر ہو۔ اس حوالے سے وہ لفظیاتی، قواعدی اور املائی نظام کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ مصنف کے اسلوب کو بھی اہمیت دیتے تھے۔ اسلوب سے کسی مصنف کے متن تک پہنچنا بھی تدوین کا ایک اہم اصول ہے۔

انھوں نے باغ و بہار کے متن کو ترتیب دے کر اس میں جو تین ضمیمے شامل کیے ہیں اُن ضمیمہ جات سے ان کی تدوینی اہلیت اور قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے یہ تین ضمیمے درج ذیل

ہیں

۱۔ضمیمہ نمبر۱۔تشریحات، اختلاف نسخ اور انتساب اشعار سے متعلق

۲۔ضمیمہ نمبر۲۔تلفظ اور املا کے متعلق

۳۔ضمیمہ نمبر۳۔الفاظ اور طریق استعمال کے متعلق

دلچسپ بات یہ ہے کہ باغ و بہار کا یہ متن ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے جب کہ اس کی توضیحات کے حوالے سے ساڑھے چار سو صفحات استعمال ہوئے ہیں۔

اسی طرح انھوں نے فسانہ عجائب کے متن کو سات قدیم نسخوں کی مدد سے ترتیب دیا۔اس کا مقدمہ بھی ۱۰۸ صفحات کا لکھا۔وضاحتی فرہنگ کے علاوہ تفصیلی حواشی بھی لکھے۔

انتخاب سودا، انتخاب ناسخ ان کی ترتیب وتدوین کی عمدہ مثالیں ہیں۔انتخاب سودا اس خطی نسخے پر مشتمل ہے جسے سودا کی زندگی ہی میں رچرڈ جانسن کے لیے مرتب کیا گیا تھا اور جسے کلام سودا کا معتبر ترین نسخہ کہا جاتا ہے۔رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> "انڈیا آفس لندن کے ذخیرہ مخطوطات میں کلام سودا کا وہ نادر نسخہ محفوظ ہے، جس کی کتابت سودا کی زندگی کے بالکل آخری زمانے میں ہوئی تھی۔یہ بیش قیمت خطی نسخہ، سودا کے ایک ممدوح رچرڈ جانسن کو نذر کیا گیا تھا۔جو اودھ میں نائب ریذیڈنٹ اور قائم مقام ریذیڈنٹ رہ چکا ہے۔یہ نسخہ کئی اعتبار سے اہم ہے۔ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ الحاقی کلام سے پاک ہے جب کہ مطبوعہ نسخوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ دوسروں کا کلام بھی سودا کے نام سے ان میں شامل کر دیا گیا ہے۔دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اغلاط کتابت کم ہیں۔اس خوبی کی وجہ سے اس نسخے کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس کی مدد سے کلامِ سودا کے متن کی تصحیح بہ خوبی ممکن ہے۔ (۲۲)

انھوں نے مولانا الطاف حسین حالی کا دیوان حالی، جعفر زٹلی کا زٹل نامہ، انشائے غالب، میر حسن کی مثنوی سحر البیان، مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کی دہلی کی آخری شمع کی ترتیب وتدوین کی۔

متن کے حوالے سے خلیق انجم لکھتے ہیں:

"رشید حسن خاں نے بنیادی نسخے کے طور پر وہ متن استعمال کیا ہے جو پہلی بار سہ ماہی اردو کے جولائی ۱۹۲۷ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ رشید حسن خاں صاحب اردو کے صفِ اول کے متنی نقاد ہیں۔" (۴۳)

مثنوی سحرالبیان انھوں نے جن نسخوں کی مدد سے ترتیب دی ان میں ایک نسخہ میر شیر علی کے مقدمے کے ساتھ ہے جو کہ میر حسن کے دوست بھی تھے یہ نسخہ فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوا جو کہ نستعلیق ٹائپ میں چھپا ہوا ہے۔۔ دوسرا نسخہ کلیات میر حسن کا وہ مخطوطہ ہے جو برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے اور جس کا سال کتابت ۱۲۵۹ھ ہے۔۔۔ اختلاف متن کی صورت میں اکثر مقامات پر نسخۂ فورٹ ولیم کالج کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ جن مقامات پر اغلاط طباعت نمایاں تھیں اُن مقامات پر دوسرے نسخوں کے متن کو ترجیح دی گئی ہے۔ (۴۴)

ڈاکٹر وحید قریشی مثنوی سحرالبیان کے درج ذیل نسخوں کا ذکر کرتے ہیں:

فورٹ ولیم کالج کا نسخہ ۱۸۰۳ء (مرتبہ میر شیر علی افسوس)

مطبع جعفری بمبئی ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء

مطبع ... پریس دہلی کا نسخہ ۱۹۰۸ء

... نولکشور کا نسخہ ۱۹۴۷ء

... عرشی بریلوی کا مرتبہ نسخہ ۱۹۴۷ء

اس کے علاوہ انھوں نے ایک اور نسخے کا ذکر کیا ہے جو کہ اشپرنگر کی اودھ کیٹلاگ میں دیوان حسن کے نام سے درج ہے۔ نسخے کی پیشانی پر قصہ فیروز شاہ قلمی لکھا ہے اس کی تحریر اور مثنوی کے متن کی تحریر میں فرق ہے۔ اس نسخے میں چار مثنویاں ہیں: سحرالبیان، مثنوی لال گوہر، قصہ سوداگراں، قصہ پٹھان اور باہمنی۔ سحرالبیان۔ (۴۵)

رشید حسن خان نے اردو میں جدید تدوین کی مثالیں پیش کیں اور آنے والے تدوین کاروں کے لیے بہتر نمونہ چھوڑے۔ اس طرح تدوین کے باب میں جو ایک خلا تھا اسے رشید حسن خاں نے بڑی حد تک پُر کیا۔

قاضی عبدالودود نے بھی روایت شکنی سے کام لیتے ہوئے تحقیق و تدوین میں نمایاں

کارنامے سرانجام دیے۔ ان کا انداز نظر منطقی اور استخراجی رہا۔ اس حوالے سے انھوں نے پچاس کی دہائی میں کئی تحقیقی مضامین میر، انشاء، مصحفی، غالب اور سودا وغیرہ کے حوالے سے تحریر کیے۔ مختلف کتابوں پر تحقیقی انداز میں تبصرے بھی رقم کیے۔ خواجہ احمد فاروقی کی مرتب کردہ کتاب میر تقی میر، مسعود حسن رضوی کے مرتب کردہ دیوان فائز کا تبصرہ تحقیقی و تدوینی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تحریر کیے۔

ان کے مضامین میں آوارہ گرد اشعار، جہان غالب، تعین زمانہ جیسے مستقل سلسلے اور غالب بہ حیثیت محقق یا عبدالحق بہ حیثیت محقق جیسے مفصل مقالے لکھے جن میں تحقیقی و تدوینی مباحث پائے جاتے ہیں۔ (۲۶)

قاضی صاحب نے تحقیق میں شک اور احتساب کو بنیادی اہمیت دی۔ شک کی بنا پر ہی نئے حقائق سامنے آتے ہیں۔ اگر ہر بات یا روایت کو مصدقہ مان لیا جائے اور شک کی گنجائش پیدا نہ کی جائے تو اس سے تحقیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

مشفق خواجہ

پاکستان میں اردو تحقیق و تدوین کے حوالے سے مشفق خواجہ ایک اہم نام ہے۔ وہ تحقیقی و تدوینی کاموں کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے لائے۔ انھوں نے تحقیقی و تدوینی کاموں کے لیے خود کو اور اپنے وسائل کو وقف کیا ہوا تھا۔ انھوں نے تحقیقی میدان میں قابل قدر اور یادگار چیزیں چھوڑی ہیں۔

وہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں ''قاموس الکتب'' کے مدیر بھی رہے اور انجمن کے شعبہ تحقیق اور مطبوعات کے نگران بھی۔ مشفق خواجہ صحیح معنوں میں تحقیقی و تدوینی شوق رکھتے تھے۔ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

> ''مجھے فوٹو گرافی کا بہت شوق تھا۔ دراصل پرانے مخطوطے نقل کرتے ہوئے میں فوٹو اتار لیتا ہوں اس طرح میرا شوق اور بڑھ جاتا ہے۔'' (۲۷)

مشفق خواجہ تحقیق و تدوین کی باریکیوں سے اچھی طرح واقف تھے اور تدوین متن کی ضروریات اور تقاضوں سے بھی آگاہ تھے اور ایک کامیاب مدون کی حیثیت سے جانے جاتے

تھے۔ وہ کسی بھی کتاب کی تدوین کے وقت اس تمام نسخوں کو ملاحظہ کرتے۔ انھیں قدیم علوم و فنون سے بے حد دلچسپی تھی اور انھوں نے قدیم مخطوطات اور مطبوعات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جب وہ کسی کتاب کی تدوین کرتے تو مصنف کے عہد، اس دور کی زبان، متروک الفاظ اور رسم الخط سے ضرور آگہی حاصل کرتے۔ ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں کہ:

> ''خواجہ صاحب نے متون کی تدوین کو اُردو میں بڑے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا۔ خواجہ صاحب نے ایسے کام کو اپنے لیے چنا جو اپنی بنیادی اہمیت کے باوجود خود ادیبوں کے لیے ایک اجنبی میدان کی حیثیت رکھتا تھا۔'' (۲۸)

ان کی تدوین کی ہوئی کتابوں میں ''خوش معرکہ زیبا'' سعادت خان ناصر کا تصنیف کردہ تذکرۂ شعراء، ہے۔ یہ تذکرہ اُستادی اور شاگردی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے تصنیف کیا گیا تھا یہ تذکرہ ۱۸۴۸ء میں مکمل ہوا تھا۔ مشفق خواجہ نے اسے دو جلدوں میں مرتب کیا اور تفصیلی مقدمہ بھی لکھا۔

اس کتاب کی تدوین کے وقت انھوں نے اس کتاب کے پہلے تمام نسخوں کا مطالعہ کیا ۔خوش معرکہ زیبا کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''اس سلسلے میں، میں نے مختلف نسخوں کا مطالعہ کیا جن میں نسخہ پٹنہ، نسخہ انجمن، نسخہ لکھنؤ، نسخہ علی گڑھ شامل ہیں۔'' (۲۹)

مشفق خواجہ نے اس کتاب کی تدوین ناصر کے نسخہ کو سامنے رکھ کر کی اور متن کی تیاری میں ''نسخہ پٹنہ'' کو متن میں جگہ دی اور نسخہ انجمن میں جو جو اختلافات تھے وہ حواشی میں سامنے لے آئے۔ نسخہ انجمن کے وہ شعر یا عبارت جو نسخہ پٹنہ میں نہیں ہیں انھیں بھی متن میں شامل کیا ، یہ تمام عبارتیں اور اشعار قوسین میں دیے ہیں۔

''پرانے شاعر نیا کلام'' مجموعہ مقالات جس میں مشفق خواجہ نے خواجہ احسن الدین خان بیان، جسونت سنگھ پروانہ، فضل علی ممتاز، اور ولی اللہ محب وغیرہ جیسے شعراء پر لکھا اور ان کا کلام سامنے لائے۔

اقبال از احمد دین جو مولوی احمد دین نے کتاب ۱۹۲۳ میں میں لکھی تھی اور جسے جلا دیا گیا

تھا، مشفق خواجہ نے اس کتاب کو مرتب کیا خواجہ عبدالقدیر کی سعی تلاش سے اس کی پہلی طباعت ایک نہایت شکستہ اور بوسیدہ نسخہ جس میں متعدد اوراق کم تھے، خواجہ اعجاز احمد (مولوی احمد کے بیٹے) کے نسخے کی مدد سے ترتیب دے کر اس پر مقدمہ اور حواشی وتعلیقات لکھے۔ (۳۰) کتاب ۱۹۷۹ میں انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے شائع ہوئی۔

''غالب اور صفیر بلگرامی'' ادارہ عصری مطبوعات کراچی سے ۱۹۸۱ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مشفق خواجہ نے غالب اور صفیر کے خطوط کے درست متن کو اکٹھا کر کے شائع کیا۔ صفیر کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف کی فہرست بھی درج کی۔

مشفق خواجہ نے ''جائزہ مخطوطات اردو'' کے نام سے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود اردو کے مخطوطات کی فہرست کو ضروری معلومات کے ساتھ شائع کیا۔ اس میں ۲۴۰ مخطوطات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ کتاب محققین کے لیے تحقیقی کام کے مآخذ کی تلاش میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ قلمی نسخوں کی وضاحتی فہرست ہے جو کہ دس جلدوں میں ہے۔ بقول ڈاکٹر خلیق انجم:

> ''جائزہ اردو اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا اور اعلیٰ ترین کام ہے۔'' (۳۱)

اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی مخطوطہ شائع ہو چکا ہے تو مطبوعہ ایڈیشنوں کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ان محققین کے لیے بڑی نعمت بن گئی جو قدیم شاعروں اور ادیبوں پر کام کر رہے تھے۔

مشفق خواجہ کی ترتیب وتدوین کی ہوئی کتاب ''کلیات یگانہ'' اکادمی بازیافت سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی جس میں مشفق خواجہ نے نہ صرف ان کا کلام جمع کیا بلکہ اس مفصل دیباچہ بھی لکھا، ضمیمہ بھی ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ فرہنگ اور حواشی بھی تحریر کیے۔ اس کتاب کی تدوین میں مشفق خواجہ نے بہت زیادہ محنت کی اور کئی برسوں کی محنت کے بعد اسے ترتیب دینے میں کامیاب ہوئے۔ مشفق خواجہ نے تحقیق وتدوین کے حوالے سے جو کام کیے وہ اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔

حوالہ جات

جمیل احمد رضوی، سید، دستاویزی طریق تحقیق، مشمولہ مجلہ تحقیق، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد نمبر ۵، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲

حسن اختر ملک، ڈاکٹر، تہذیب و تحقیق، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۹ء، ص ۱۶

سید جعفر، پروفیسر، ہندوستانی ادب کے معمار ڈاکٹر زور، نئی دہلی، ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۴ء ص ۵۰

حسن اختر ملک، ڈاکٹر، تہذیب و تحقیق، ص ۲۰

مشکوک ادبی دستاویزات کی چھان بین کا ایک سائنسی طریقہ، از نارمن ایچ۔ میکنزی مترجمہ انجم الاسلام، مشمولہ تحقیق فکری وفنی مباحث مرتبہ ڈاکٹر جاوید اقبال، کراچی، ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۴ء ص ۱۳۸

حافظ محمود شیرانی، سرمایۂ اردو، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۹

تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، اصول تحقیق و ترتیب متن، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۳

قدرت نقوی، سید، نسخۂ شیرانی اور دوسرے مقالات، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۵،۶،۴،۲۰۴

مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳

نذیر احمد، ڈاکٹر، غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، مشمولہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی شمارہ ۱۰، ۱۱، ص ۴۸۶

قاضی عبدالودود سے قبل اردو تحقیق اور متنی تنقید، مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳

مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص ۱۱

تنویر احمد علوی، ڈاکٹر: محقق شیرانی اور تاریخی حسیت مشمولہ حافظ محمود شیرانی۔ تحقیقی مطالعے مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۸

مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص ۳

۱۴۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، کتب خانہ شیرانی کے نوادر مشمولہ فارسی زبان و ادب، مجموعہ مقالات، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۳۳۹، ۳۵۰

۱۵۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر: تحقیق و تنقید، مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ... جلد، (مدیر سید فیاض محمود)، لاہور پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۹۴

۱۶۔ عبدالقادر، شیخ: حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳ عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء، ص ۱۱

۱۷۔ معراج نیّر زیدی، ڈاکٹر، بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق، فن اور شخصیت، لاہور، ابلاغ، ۱۹۹۵ء، ص ۳۸۱

۱۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ اردو ادب، جلد اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۴ء، ص ۱۵۹

۱۹۔ محمد اکمل، ڈاکٹر، میزان تحقیق، دہلی، ایم آر پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۲۷

۲۰۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران کتب، ص ۱۵۳، ۱۵۴

۲۱۔ رشید حسن خان (مرتب) کلام سودا، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ۲۰۰۴ء ص ۹، ۱۰

۲۲۔ حرف آغاز از خلیق انجم، مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کی دہلی کی آخری شمع، نئی دلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵

۲۳۔ پیش لفظ از رشید حسن خان، مشمولہ مثنوی سحر البیان، تصحیح و ترتیب رشید حسن خان، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء، ص ۵

۲۴۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، مقالات تحقیق، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۶۷، ۶۸

۲۵۔ رشید حسن خاں، تحقیق، تدوین، روایت، ص ۲۲۰

۲۶۔ انٹرویو: مشفق خواجہ اور آمنہ شفیق سے ملاقات، (انٹرویو نگار: امت الصبور اور ناظمہ طالب) مشمولہ مشفق خواجہ ایک مطالعہ، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء ص ۵۴

۲۷۔ محمد ابوالخیر کشفی سید، ڈاکٹر مشفق خواجہ ایک تعزیت نامہ، مشمولہ مشفق خواجہ: فن اور شخصیت، مرتبہ محمد اسلام نشتر، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶

۲۸۔ سعادت خان ناصر: تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مرتبہ مشفق خواجہ، لاہور: مجلس ترقی ادب

۱۹۷۰ء

۲۹۔ مشفق خواجہ (مرتب)، اقبال (از احمد دین)، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۹ء، ص ۱۶

۳۰۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، ذکر مشفق خواجہ کا، مشمولہ مشفق خواجہ فن اور شخصیت، ص ۹۳

چند تحقیقی اصطلاحات

اختلاف نسخ:

تدوین کرتے وقت مختلف نسخوں میں جو اختلافات ملتے ہیں انھیں اختلاف نسخ کہا جاتا ہے، ان کو یک جا کر دیا جاتا ہے تاکہ قاری کے سامنے دونوں صورتیں آ جائیں۔

اساسی نسخہ:

کسی پرانی قلمی کتاب یا مخطوطے کے جب کئی نسخے موجود ہوں تو ان میں سے وہ نسخہ جسے بنیاد مان کر تدوین متن کی جائے اساسی نسخہ کہلاتا ہے۔

اسماء الرجال:

اشاریے میں اشخاص کے نام کو اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔

ابتدائی مسودہ:

مقالے کو پہلی بار کتابی شکل دینا ابتدائی مسودہ کہلاتا ہے۔

تبییض:

مسودے کو صاف کر کے دوبارہ لکھنا۔

ترجمہ:

تذکرے میں جب کسی شاعر کے حالات رقم کیے جائیں تو اسے ترجمہ کہا جاتا ہے۔

ترک:

پہلے کتابوں پر صفحہ نمبر نہیں دیا جاتا تھا بلکہ اس مقصد کے لیے دائیں ہاتھ کے صفحے کے نیچے بائیں کونے میں اگلے صفحات کی عبارت کے پہلے چند الفاظ لکھ دیے جاتے تھے جو کہ صفحات کی ترتیب کو سامنے لاتے تھے کہ کون سا صفحہ کس صفحے کے بعد آئے گا۔

تصحیف:

کاتب سے ایک جیسے الفاظ کا املا غلط لکھے جانا۔

رموز اوقاف:

الفاظ، جملوں کے درمیان ٹھہراؤ کے لیے نشانات یا مخففات

ضمیمہ:

کسی کتاب یا مقالے کا وہ حصہ جس میں کتاب کے متن کے حوالے سے اضافی معلومات شامل کی گئی ہوں۔

فرہنگ:

مشکل الفاظ یا خصوصی معنی والے الفاظ کے اصطلاحی معنی لکھنا۔

قرات:

کسی مخطوطے یا نسخے کو پڑھ کر اس کے الفاظ کے ہجے اور اس کا تلفظ طے کرنا۔

کشکول:

کشکول اس قلمی نسخے کو کہا جاتا ہے جس میں دوسرے شعرا یا نثر نگاروں کی تحریریں لکھ دی جاتی تھیں۔

لوح:

کتاب کا سرورق یا پہلا صفحہ، پہلے صفحے کے اوپر والے حصے کو بھی کہا جاتا ہے جہاں عنوان لکھا گیا ہو۔

محوّلہ:

جس کا حوالہ دیا گیا ہو یا ذکر کیا گیا ہو۔

ناقص الاول:

وہ نسخہ جس کے ابتدائی صفحات موجود نہ ہوں۔

ناقص الآخر:

ایسا مخطوطہ جس کے آخر کے صفحات غائب ہوں۔

ناقص الوسط:

وہ نسخہ جس کے وسط کے اوراق موجود نہ ہوں۔

ناقص الطرفین:

ایسا نسخہ جس کے ابتدائی اور آخری دونوں طرف کے صفحات موجود نہ ہوں۔

منسوخ:

متن یا تخلیقات کا وہ حصہ جسے مصنف نے منسوخ کر دیا ہو۔

کتابیات

کتب

ابن کنول، تحقیق و تنقید، دہلی، کتابی دنیا، ۲۰۰۶ء
احمد ندیم سندیلوی، خبر نگاری، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان
اسلم ادیب' ڈاکٹر، تحقیق کی بنیادیں، لاہور، بیکن بکس، بار دوم ۲۰۰۴ء
اعجاز راہی (مرتب) روداد سیمینار اصول تحقیق، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء
الطاف شوکت، نظام کتب خانہ، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۳ء
ایم ایس ناز، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
ایم سلطانہ بخش' ڈاکٹر (مرتب)، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان
ایم سلطانہ بخش' ڈاکٹر (مرتب)، اردو میں اصول تحقیق، اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز، ۲۰۰۱ء
تنویر احمد علوی (مرتب)، آزادی کے بعد دہلی میں اردو تحقیق، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء
تنویر احمد علوی' ڈاکٹر، اصول تحقیق و ترتیب متن، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۶ء
جاوید اقبال' ڈاکٹر (مرتب) تحقیق فکری و فنی مباحث، کراچی، ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۴ء
جمیل جالبی' ڈاکٹر، تحقیق، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۴ء
حالی، حیات جاوید، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۱ء، بار دوم
حسن اختر ملک' ڈاکٹر، تہذیب و تحقیق، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۹ء
خالد اقبال یاسر: پیش لفظ، کتابیات اردو مطبوعات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء
خلیق انجم' ڈاکٹر، تعبیر و تفہیم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء
رشید حسن خان (مرتب)، مثنوی سحر البیان، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء

رشید حسن خاں، ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۸۹ء
رشید حسن خاں، ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، لکھنؤ، اتر پردیش اردو کادمی، ۱۹۹۰ء
رشید حسن خاں، تحقیق، تدوین، روایت، دہلی، ایس اے پبلیکیشنز، ۱۹۹۹ء
رشید حسن خان (مرتب) کلام سودا، مکتبہ جامعیہ لمیٹڈ، دہلی، ۲۰۰۴ء ص ۹، ۱۰
سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۱۹۹۴ء
سرفراز حسین مرزا، اشاریہ نوائے وقت (۱۹۴۵ـ۱۹۴۷ء)، لاہور، پاکستان سٹڈی سنٹر پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء
سیدہ جعفر، پروفیسر، ہندوستانی ادب کے معمار۔ڈاکٹر زور، نئی دہلی، ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۴ء
شیرانی، حافظ محمود، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول
شیرانی، حافظ محمود، سرمایۂ اردو، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء
صابر کلوروی (مرتب)، اشاریہ مکاتیب اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۴ء
صفدر علی، پروفیسر، اصول تحقیق وتدوین، لاہور، فاروق سنز
سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء
عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۰ء
عبدالستار دلوی (مرتب) ادبی ولسانی تحقیق اصول اور طریق کار، بمبئی، شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء
عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، فن صحافت، لاہور مکتبہ کارواں
عبدالحق، مولوی، مقدمہ قواعد اردو، لاہور، سیونتھ سکائی پبلیکیشنز، ۲۰۱۲ء
عبدالحق، مولوی، مقدمہ قاموس الکتب، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۱ء
عبدالرزاق قریشی: مبادیات تحقیق، لاہور، خان بک کمپنی، س ن
عبداللہ، سید ڈاکٹر، مباحث، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء

عبداللہ، سید ڈاکٹر، کتب خانہ شیرانی کے نوادر مشمولہ فارسی زبان و ادب مجموعہ مقالات ،لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء

عطش درانی، جدید رسمیات تحقیق، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء

عطش درانی، ڈاکٹر (مرتب) اردو تحقیق (منتخب مقالات)، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء

عطش درانی، ڈاکٹر، اصول ادبی تحقیق (تکنیکی امور) لاہور، نذیر سنز ایجوکیشنل پبلشرز، ۲۰۱۱ء

فرحت اللہ بیگ دہلوی کی دہلی کی آخری شمع، نئی دلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۲ء

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ادبیات و شخصیات، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۳ء

قدرت نقوی، سید، نسخہ شیرانی اور دوسرے مقالات، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی ،۱۹۸۸ء

گیان چند، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء

محمد اسلام نشتر (مرتب)، مشفق خواجہ :فن اور شخصیت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء

محمد اسلم، میاں، قاسم رضا، تعلیمی تحقیق، ملتان، ٹیچرز سٹوڈنٹس ویلفیئر فورم، طبع دوم، ۲۰۰۶ء

محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۱ء

محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اصناف نظم و نثر، کراچی، رنگ ادب، ۲۰۱۵ء

محمد اصغر، علم کتب خانہ و معلومات، تکنیکی پہلو، لاہور، اکادمی انتظامیات کتب خانہ و معلومات، ۲۰۰۰ء

محمد اکمل، ڈاکٹر، آزادی سے قبل اردو تحقیق، نئی دہلی، ایم آر پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء

محمد طاہر قریشی، فہرست کتب خانہ نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۰۹ء

محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری، لاہور، ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء

مشفق خواجہ (مرتب)، سعادت خان ناصر: تذکرہ خوش معرکہ زیبا، لاہور، مجلس ترقی ادب ، ۱۹۷۰ء
مشفق خواجہ (مرتب)، اقبال (از احمد دین)، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۹ء
مشفق خواجہ ایک مطالعہ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء
معراج نیر زیدی، بابائے اردو فن اور شخصیت، لاہور، مکتبہ ابلاغ، ۱۹۹۵ء
معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اردو تحقیق صورت حال اور تقاضے، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء
معین الرحمن، سید ڈاکٹر، اردو تحقیق یونیورسٹیوں میں، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۹ء
نثار احمد زبیری، ڈاکٹر، تحقیق کے طریقے، لاہور، فضلی سنز لمیٹڈ، ۲۰۰۰ء
نذیر احمد، پروفیسر (مرتب)، حافظ محمود شیرانی۔ تحقیقی مطالعے، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ ، ۱۹۹۱ء
نسیم فاطمہ (مرتبہ) ڈاکٹر جمیل جالبی۔ سوانحی کتابیات، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۸ء
وحید قریشی، ڈاکٹر، مقالات تحقیق، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء

اخبار

نوائے وقت، لاہور، ۲۵۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء

رسائل وجرائد

اخبار اردو اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۲ء اردو میں اصول تحقیق نمبر، ص ۸۲،
اردو، سہ ماہی کراچی جنوری ۱۹۶۸ء
افکار کراچی، اپریل ۱۹۸۷ء
اقبالیات سہ ماہی، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۸ء
اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء
تحقیق، سندھ یونیورسٹی، شمارہ ۱۰، ۱۱، تحقیق، سندھ یونیورسٹی جام شورو، شمارہ ۱۴، ۲۰۰۶ء
خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ، شمارہ ۱۶، ۱۹۸۱ء، خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ شمارہ ۱۳۱

جنوری مارچ ۲۰۰۳ء
علی گڑھ میگزین ۲۰۱۰ء، خصوصی شمارہ علی گڑھ میں اردو تحقیق
مجلہ تحقیق، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد نمبر ۵، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۸۳ء
مخزن لاہور، قائد اعظم لائبریری، لاہور، شمارہ نمبر ۷
معیار، شعبہ اردو اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، شمارہ ۱۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۴ء
نقوش، سال نامہ، شمارہ ۱۴۰ء، نقوش، لاہور، شمارہ ۱۴۱، نقوش لاہور عصری ادب نمبر، ۱۹۸۲ء

تاریخ ادب

تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ساتویں جلد، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء
تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، آٹھویں جلد، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء
تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد نویں، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء
تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دسویں، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء

لغات

اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد اول (الف مقصورہ)، کراچی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۷ء
جمیل جالبی، ڈاکٹر: قومی انگریزی اردو لغت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، طبع پنجم
شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۵ء
فیروز سنز کنسائز ڈکشنری، انگلش سے اردو، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۳ء
محمود الحسن و زمرد محمود (مرتبین): کشاف اصطلاحات کتب خانہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

دیگر کتب

۱۔ پھول راستے (شعری مجموعہ) امتیاز فیاض پریس لاہور ۱۹۹۲ء

۲۔ دھوپ کا شہر (شعری مجموعہ) مکتبہ ابلاغ لاہور ۱۹۹۵ء

۳۔ انجمن ترقی اُردو پاکستان کی مطبوعات۔ توضیحی کتابیات ۲۰۰۶ء
انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی

۴۔ تجھے دیکھا ہے جب سے (شعری مجموعہ) دُعا پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۷ء

۵۔ اُردو ادب کے عصری رجحانات کے فروغ میں مجلہ ''افکار'' کراچی کا کردار ۲۰۰۸ء
انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی

۶۔ لسانیات، زبان اور رسم الخط، مثال پبلشرز فیصل آباد ۲۰۰۹، ۲۰۱۲ء

۷۔ کوئی تیرے جیسا نہیں، مثال پبلشرز (انعام یافتہ) ۲۰۱۰ء

۸۔ اشاریہ اخبار اُردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد (انعام یافتہ) ۲۰۱۰ء

۹۔ حافظ محمود شیرانی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۱۱ء

۱۰۔ پنجابی زبان۔ گورمکھی رسم الخط اور بنیادی معلومات ۲۰۱۱ء
(بہ اشتراک اخلاق حیدرآبادی، وقار اصغر پرویز)

۱۱۔ خوابوں سے بھری آنکھیں، (شعری مجموعہ) شمع بک سٹال فیصل آباد ۲۰۱۴

۱۲۔ اشاریہ اور فنِ اشاریہ سازی، ادارہ یادگارِ غالب، کراچی ۲۰۱۵

۱۳۔ تاریخ اصناف نظم ونثر، رنگِ ادب پبلی کیشنز کراچی ۲۰۱۵

۱۴۔ لسانیات اور زبان کی تشکیل، مثال پبلشرز فیصل آباد ۲۰۱۵

۱۵۔ تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات، مثال پبلشرز فیصل آباد ۲۰۱۶

۱۶۔ تنقید کا دائرہ، مثال پبلشرز فیصل آباد ۲۰۱۶

۱۷۔ مجید امجد کی تین نظمیں (کتابچہ) مثال پبلشرز فیصل آباد ۲۰۱۶

۱۸۔ اردو صحافت، کل سے آج تک (کتابچہ)، روہی بکس فیصل آباد ۲۰۱۶

۱۹۔ پانچ ناول۔ تنقیدی جائزہ (کتابچہ)، روہی بکس فیصل آباد ۲۰۱۶

۲۰۔ لسانیات، زبان اور رسم الخط، روہی بکس فیصل آباد ۲۰۱۶

۲۱۔ یورپ کی دہلیز پر (سفرنامہ ترکی)، رنگ ادب کراچی ۲۰۱۶

۲۲۔ صحافت اور ابلاغیات، روہی بکس فیصل آباد ۲۰۱۶ء

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

ادبی شناخت:
شاعر، محقق، نقاد، ڈراما نگار، افسانہ نگار، خاکہ نگار، سفرنامہ نگار، ناول نگار

تعلیمی اداروں سے موجودہ وابستگی:

صدر شعبہ اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر
وزیٹنگ پروفیسر قرطبہ یونیورسٹی ڈی آئی خان
شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیرپور سندھ
سرگودھا یونیورسٹی بھکر کیمپس
جی سی یونیورسٹی فیصل آباد (۲۰۰۸ء۔فروری ۲۰۱۶ء تک)

تصنیفی کام: تحقیق وتنقید اور شاعری سے متعلق ۲۴ کتب
ایچ ای سی مصدقہ رسائل میں ۳۰ سے زائد مقالات
انٹرنیشنل رسائل میں ۸۰ سے زائد مضامین ومقالات
قومی رسائل میں ۱۵۰ سے زائد مقالات

صحافت: ممبر مجلس ادارت، ساحل لندن (۲۰۱۳ء سے تا حال)
چیف ایڈیٹر دلکشا گورنمنٹ کالج بھکر
ڈپٹی ایڈیٹر: ''زبان وادب'' جی سی یونیورسٹی فیصل آباد (سابق)
معاون ایڈیٹر مخزن بریڈفورڈ (برطانیہ) شمارہ 6 تا 8

تحقیقی سرگرمیاں: مختلف یونیورسٹیوں میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے
درجنوں مقالات کی نگرانی